ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

8

www.tanzeem.org

21 تا 27 فروری 2012ء/ 28 ربیع الاوّل تا 5 ربیع الثانی 1433ھ

حاکمیتِ مطلقہ فقط اللہ کی ہے!

دین اسلام کی فطرت ایک بنیادی اور اصلی حقیقت پیشِ نظر رکھتی ہے۔ وہ یہ کہ انسانی زندگی کی چھوٹی سے چھوٹی چیز کا بھی اللہ تعالیٰ کی حاکمیتِ مطلقہ کے سامنے جھکنا واجب ہے۔ یہ حاکمیت مطلقہ اس کی شریعت میں متمثل ہوتی ہے۔ زندگی کا جو جزو بھی اس سے باہر ہوگا، اس حد تک زندگی کو اللہ کے دین سے بغاوت وخروج سمجھا جائے گا۔ اور اس سے یہ بات از خود لازم آجاتی ہے کہ انسانی زندگی کا کوئی جزو بھی بشری حاکمیت کے تابع نہ رہے۔ بشری حاکمیت سے پوری خلاصی حاصل کی جائے۔ جس بشر کو جس حد تک تحلیل وتحریم کا اختیار سونپا جائے گا وہ اُسی حد تک سونپنے والوں کا خدا ہوگا۔ وہ خود بھی —— اگر زندہ ہو اور برضاء ورغبت، بالجبر واکراہ ایسا کرے —— باغی ہے۔ اور اسے یہ اختیار دینے والے بھی خدا کی حاکمیت کے باغی ہیں۔ کائنات کا اِلٰہ فقط ایک اللہ وحدہٗ ہے۔

تفسیر فی ظلال القرآن

سید قطب شہیدؒ

اس شمارے میں

جلتا سلگتا بلوچستان

مذہب کا کفن؟

انبیاء ورسلؑ کی بعثت کا اصل مقصد

ایمان بمقابلہ ٹیکنالوجی

نبی کریم ﷺ پر ہمہ پہلو ایمان

"......اس کو ہم نے پرے کر دیا"
خلافتِ عثمانیہ کے آخری ایام کا تذکرہ

دعوت ضروری کیوں؟

پیمپر والی فوج

اللہ اور اس کے رسول ﷺ
سے جنگ کرنے والے

تنظیم اسلامی کی دعوتی وتربیتی سرگرمیاں

الھدیٰ (501)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

سورۃ ہود

(آیات 35 تا 39)

بسم اللہ الرحمٰن الرَّحیم

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَعَلَيَّ إِجْرَامِي وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تُجْرِمُونَ ﴿﴾ وَأُوحِيَ إِلَىٰ نُوحٍ أَنَّهُ لَن يُؤْمِنَ مِن
قَوْمِكَ إِلَّا مَن قَدْ آمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿﴾ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ
ظَلَمُوا ۚ إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ ﴿﴾ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِّن قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ ۚ قَالَ إِن تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا
نَسْخَرُ مِنكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ﴿﴾ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ مَن يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿﴾

”کیا یہ کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) نے قرآن اپنے دل سے بنالیا ہے؟ کہہ دو کہ اگر میں نے دل سے بنالیا ہے تو میرے گناہ کا وبال مجھ پر اور جو گناہ تم کرتے ہو اس سے میں بری الذمہ ہوں۔ اور نوح کی طرف وحی کی گئی کہ تمہاری قوم میں جو لوگ ایمان لا چکے ان کے سوا اور کوئی ایمان نہیں لائے گا۔ تو جو کام یہ کر رہے ہیں ان کی وجہ سے غم نہ کھاؤ۔ اور ایک کشتی ہمارے حکم سے ہمارے روبرو بناؤ۔ اور جو لوگ ظالم ہیں ان کے بارے میں ہم سے کچھ نہ کہنا کیونکہ وہ ضرور غرق کردیے جائیں گے۔ تو (نوح نے) کشتی بنانی شروع کردی۔ اور جب ان کی قوم کے سرداران کے پاس سے گزرتے تو ان سے تمسخر کرتے۔ وہ کہتے کہ اگر تم ہم سے تمسخر کرتے ہو تو جس طرح تم ہم سے تمسخر کرتے ہو اسی طرح (ایک وقت) ہم بھی تم سے تمسخر کریں گے۔ اور تم کو جلد معلوم ہو جائے گا کہ کس پر عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کرے گا، اور کس پر ہمیشہ کا عذاب نازل ہوتا ہے؟“

کفار مکہ ہٹ دھرمی کے باعث یہ کہتے تھے کہ اے محمدؐ آپ نے قرآن خود گھڑ لیا ہے۔ اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا کہ اے پیغمبرؐ ان کو فرمادیجئے کہ یہ ساری باتیں اللہ وحی کے ذریعے مجھے سنا رہا ہے۔ یہ تو اللہ کی طرف سے ہیں۔ یہ ہرگز کوئی گھڑا ہوا افسانہ یا سٹوری نہیں۔ اگر یہ چیزیں میں نے گھڑی ہوئی ہوں تو یہ میرا جرم ہوگا، اس کا وبال مجھ پر آئے گا۔ ورنہ پھر جو جرم تم کر رہے ہو یعنی مجھے جھٹلانے کا جرم تو میں اس سے بری ہوں۔

نوح علیہ السلام سے فرمایا گیا تھا کہ اب تمہاری قوم میں سے کوئی شخص ایمان نہیں لائے گا، سوائے ان کے جو ایمان لا چکے ہیں۔ تو اب جو کچھ وہ کر رہے ہیں آپ اس پر افسوس نہ کریں اور غمگین نہ ہوں اور آپ ہماری نگاہوں کے سامنے یعنی ہماری ہدایت کے مطابق ایک کشتی تیار کیجئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر step پر ان کو وحی آ رہی تھی کہ اس طرح کرو، اتنی لمبی چوڑی بناؤ، لکڑی ایسے جوڑو۔ اس کے ساتھ یہ تنبیہ بھی فرمادی تھی کہ ظالموں کے بارے میں مجھ سے مخاطب نہ ہونا، اس سلسلہ میں مجھ سے کوئی بات یا دعا نہ کرنا، یہ نہ کہنا کہ فلاں میرا رشتہ دار ہے، اب یہ سب کے سب غرق کیے جائیں گے۔

اب ذرا چشم تصور سے دیکھئے، حضرت نوح علیہ السلام خشکی پر بیٹھے ہوئے کشتی بنا رہے ہیں جہاں آس پاس سمندر ہے ہی نہیں۔ اس حال میں اُن کی قوم کے سرداران کے پاس سے گزرتے تو مذاق اُڑاتے اور کہتے کہ اب تک تو ہم سمجھتے تھے کہ بس یہ شخص باتیں ہی بنا رہا ہے، جھوٹ بول رہا ہے لیکن اب جبکہ کشتی بنا رہا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ بالکل ہی مت ماری گئی، اس کے تو ہوش ہی ٹھکانے نہیں رہے۔ وہ یہ کہتے اور ہنستے تھے۔ اس پر حضرت نوح علیہ السلام فرماتے، اگر تم ہمارا مذاق اُڑاتے ہو تو یاد رکھو کہ وہ وقت قریب آنے والا ہے کہ ہم تمہارا اسی طرح مذاق اُڑائیں گے، جس طرح تم ہمارا تمسخر اڑا رہے ہو۔ عنقریب تم لوگ جان لو گے کہ وہ کون ہیں جن پر وہ عذاب آتا ہے جو ان کو رسوا کردے گا اور وہ عذاب ان پر اترے گا جو قائم رہنے والا اور دائمی ہے۔

فرمان نبویؐ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

فکرِ آخرت کی اہمیت

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: ((مَنْ كَانَتِ الْآخِرَةُ هَمَّهُ جَعَلَ اللّٰهُ غِنَاهُ فِي قَلْبِهِ وَجَمَعَ لَهُ شَمْلَهُ وَأَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ وَمَنْ كَانَتِ الدُّنْيَا هَمَّهُ جَعَلَ اللّٰهُ فَقْرَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَفَرَّقَ عَلَيْهِ شَمْلَهُ وَلَمْ يَأْتِهِ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا مَا قُدِّرَ لَهُ)) (صحیح بخاری)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جسے آخرت کی فکر ہو اللہ تعالیٰ اس کا دل غنی کر دیتا ہے اور اس کے بکھرے ہوئے کاموں کو جمع کر دیتا ہے اور دنیا اس کے پاس ذلیل لونڈی بن کر آتی ہے اور جسے دنیا کی فکر ہو اللہ تعالیٰ محتاجی اس کی دونوں آنکھوں کے سامنے کر دیتا ہے اور اس کے مجتمع کاموں کو منتشر کر دیتا ہے اور دنیا میں اسے اتنا ہی ملتا ہے جتنا اس کے لئے مقدر ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اداریہ

ایوب بیگ مرزا

جلتا سلگتا بلوچستان

بلوچستان رقبہ کے اعتبار سے پاکستان کا سب سے بڑا صوبہ ہے۔ اس کا رقبہ 131,855 مربع میل ہے جو کُل پاکستان کا 44% فیصد ہے اور آبادی 1998ء کی مردم شماری کے مطابق 66 لاکھ ہے جس میں اب تک چند لاکھ کا اضافہ ہو چکا ہوگا۔ گویا آبادی کے لحاظ سے بلوچستان پاکستان کا سب سے چھوٹا صوبہ ہے۔ یہاں 55% بلوچ 40% پشتون اور 5% پنجابی وغیرہ ہیں۔ بلوچستان کے شمال میں افغانستان، جنوب میں بحیرۂ عرب، مغرب میں ایران اور مشرق میں پاکستان کے دوسرے صوبے ہیں۔ بلوچستان کے بارے میں چھوڑا گیا نیا شوشہ کہ بلوچستان کو پاکستان میں جبراً شامل کیا گیا تھا یقیناً اغیار کا پروپیگنڈا ہے جس میں ہمارے کچھ تجزیہ نگار بھی بہہ گئے ہیں۔ حقائق یہ ہیں کہ برطانوی دور کے بلوچستان نے جمہوری انداز میں پاکستان سے الحاق کیا تھا، البتہ ریاست قلات کی اسمبلی نے پاکستان سے الحاق سے انکار کر دیا تھا۔ جغرافیائی اور تاریخی حقیقت یہ ہے کہ قلات میں مزید تین ریاستیں لسبیلہ، خاران اور مکران تھیں۔ لسبیلہ کے جام غلام قادر نے بالکل آغاز ہی میں پاکستان سے الحاق کا غیر مشروط اعلان کر دیا تھا، البتہ یہاں یہ ذکر کر دینا بھی ضروری ہوگا کہ وہ جب تک زندہ رہے روتے رہے، کہا کرتے تھے کہ پاکستان میں کوئی مظلوم نہیں صرف پاکستان مظلوم ہے۔ 17 مارچ 1948ء کو خاران کی ریاست نے بھی پاکستان سے الحاق کر لیا۔ خان آف قلات نے وہاں کی اسمبلی کو پاکستان سے الحاق کے لیے ترغیب و تشویق دلائی لیکن ارکان راضی نہ ہوئے۔ ایک موقع پر انہوں نے اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان نیا نیا معرضِ وجود میں آیا ہے اور بہت سی مشکلات کا شکار ہے، مہاجرین کا مسئلہ ہے، کشمیر کا تنازعہ، بھارت سے تصادم کا خطرہ ہے، لیکن بات پھر بھی نہ بنی۔ بہر حال 30 مارچ 1948ء کو انہوں نے کراچی میں پاکستان سے الحاق کی دستاویزات پر دستخط کر دیے۔ ایک روایت کے مطابق انہیں خواب میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ میرے نام سے ایک ملک وجود میں آیا ہے، تم بھی اس میں شامل ہو جاؤ۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس خواب کی وجہ سے یا حکومتی دباؤ کی وجہ سے انہوں نے الحاق کی دستاویزات پر دستخط کر دیے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے سادہ لوح بلوچوں کا خلوص سے پاکستان سے الحاق کرنے کا عملی طور پر مذاق اڑایا۔

بلوچستان میں پاکستان سے نفرت کی آگ بھڑکانے میں مفاد پرست سیاست دانوں اور مغرور و متکبر سول اور فوجی بیوروکریسی نے کلیدی رول ادا کیا۔ پاکستان کی جمہوری اور فوجی حکومتیں اب تک بلوچستان میں پانچ ملٹری آپریشن کر چکی ہیں۔ پہلا آپریشن ریاست قلات میں کیا گیا جس پر جھالاوان میں خان آف قلات کے بھائی پرنس عبدالکریم نے علم بغاوت کھڑا کیا، وہ اپنے مسلح ساتھیوں کے ہمراہ پہاڑوں پر چلے گئے۔ قرآن کو ضامن بنا کر انہیں یقین دہانی کرائی گئی کہ وہ ہتھیار پھینک دیں تو عام معافی دے دی جائے گی، لیکن وعدہ خلافی کرتے ہوئے انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ اس وقت تک تو انگریز فوجی افسران موجود تھے جنہوں نے یہ غیر اخلاقی غیر قانونی حرکت کی۔ لیکن 6 اکتوبر 1958ء کو ایوب خانی مارشل لاء کے دوران پھر آپریشن ہوا۔ قلات کی مرکزی جامع مسجد پر بمباری کی گئی۔ خان آف قلات ہاتھ میں قرآن لے کر باہر آئے۔ اس آپریشن کے دوران نواب نوروز خان مسلح ساتھیوں کے ساتھ پہاڑوں پر چلے گئے۔ انہیں بھی قرآن پر حلف دے کر نیچے اتارا گیا، ایک بار پھر وعدہ خلافی ہوئی، بوڑھے نوروز خان کو گرفتار کر لیا گیا اور ان کے بیٹوں کو پھانسی دے دی گئی۔ 1961ء میں تیسرا فوجی آپریشن مری قبیلہ کے خلاف کیا گیا۔ جان شیر محمد مری المعروف جنرل شیروف نے مزاحمت کی۔ 1973ء میں ذوالفقار علی بھٹو کی عوامی اور جمہوری حکومت نے انتہائی بودے انداز میں فوجی آپریشن کیا۔ عطاء اللہ مینگل کی صوبائی حکومت کو سول آمر بھٹو نے اختیارات کا غلط استعمال کر کے ختم کر دیا اور بلوچستان کے خلاف آپریشن ایک بار پھر شروع ہو گیا۔ اس آپریشن کے بعد ایک طویل عرصہ تک بلوچستان میں خاموشی طاری رہی۔ پھر 2006ء میں پرویز مشرف کے دور

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تنظیم اسلامی کا ترجمان نظامِ خلافت کا نقیب

ہفت روزہ | لاہور

ندائے خلافت

بانی: اقتدار احمد مرحوم

21 تا 27 فروری 2012ء
28 ربیع الاوّل تا 5 ربیع الثانی 1433ھ
جلد 21
شمارہ 08

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید

مدیر: ایوب بیگ مرزا

نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:

67-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور-54000
فون: 36316638-36366638 فیکس: 36271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور-54700
فون: 03-35869501 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 450 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا------------------(2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

میں بلوچستان کے خلاف بدترین فوجی آپریشن ہوا۔ اسی سال 26 اگست کو سردار اکبر بگٹی جو بلوچ قوم پرستوں میں ایک پرو پاکستان سردار تھے، انہیں بے دردی سے ہلاک کر دیا گیا۔ اس بے جواز قتل کا بلوچستان میں شدید ردعمل ہوا ہے۔ اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ بلوچیوں اور وہاں کے دوسرے قوم پرستوں کے ساتھ معاملات پوائنٹ آف نو ریٹرن تک پہنچ چکے ہیں یا پہنچنے کو ہیں۔ بلوچیوں کو اس وقت سب سے بڑی شکایت لاپتہ افراد کے حوالے سے ہے جن کی مسخ شدہ لاشیں بعد ازاں ویرانوں سے ملتی ہیں۔ یہ سنگین صورت حال اس لیے پیدا ہوئی کہ پاکستان میں قانون کی بالادستی کا کوئی تصور نہیں اور پاکستان کی انتظامیہ اور عدلیہ اس حوالہ سے ڈیلیور کرنے میں مکمل طور پر ناکام رہیں۔ اور یہ حق بات کہی جانی چاہیے کہ بلوچوں نے اپنے جائز حقوق حاصل کرنے کے لیے ایک غلط راستہ اختیار کر لیا، اُنہوں نے پنجابیوں اور غیر مقامی لوگوں کی ٹارگٹ کلنگ شروع کر دی۔ ایسے میں حکومت اور سیکیورٹی اداروں کا فرض تھا کہ قاتلوں اور مجرموں کو گرفتار کرتے اور عدالتی کارروائی کے ذریعے انہیں عبرتناک انجام تک پہنچاتے، لیکن انہوں نے قانون کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ لہٰذا لوگ اغوا ہوتے ہیں اور ان کی مسخ شدہ لاشیں ویرانوں سے ملتی ہیں۔ ہماری رائے میں انتظامیہ اور ایجنسیوں کا کام یہ نہیں ہوتا کہ وہ ڈاکو کے گھر میں ڈاکہ ڈال دیں یا قاتل کو سرراہ قتل کر دیں۔ اُن پر لازم تھا کہ وہ قانونی راستہ اختیار کرتے۔

آج پاکستانی قوم اس پر بھی سراپا احتجاج ہے کہ امریکی سینٹ کی خارجہ کمیٹی نے بلوچستان پر سماعت کر کے ہمارے اندرونی معاملے میں مداخلت کی ہے، لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ جب کوئی فرد، گروہ یا ریاست کمزور ہو، دوسروں کی محتاج ہو، باہمی طور پر دست و گریبان ہو اور نظریاتی طور پر منحرف ہو چکی ہو تو پھر غیروں کی مداخلت کو روکا نہیں جا سکتا۔ البتہ ایک بات ہم سمجھنے سے قاصر ہیں کہ سردار اکبر بگٹی کو قتل ہوئے پانچ سال ہو چکے ہیں۔ بلوچستان میں ٹارگٹ کلنگ، افراد کا گم ہونا اور ان کی مسخ شدہ لاشوں کا ملنا بھی ایک عرصہ سے جاری ہے۔ براہمداغ بگٹی، خیر بخش مری اور دوسرے بہت سے قبائلی سردار مشرف دور سے بلوچستان کا حل پاکستان سے علیحدگی اور مکمل آزادی سمجھتے ہیں اور اس کا سرعام اعلان کرنے میں باک محسوس نہیں کرتے، لیکن آئی ایس آئی اور سی آئی اے کے اختلافات کے بعد عالمی سطح پر بلوچستان کے حوالہ سے پاکستان کے خلاف پروپیگنڈا اب اچانک عروج پر پہنچ گیا ہے اور عالمی سطح پر میڈیا میں اس حوالہ سے بہت شور و غوغا ہو رہا ہے جس میں ہمارا میڈیا بھی شامل ہو گیا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ پاکستان کے میڈیا کو اپنے تئیں بلوچستان کے مسئلے کو شروع سے ہی اٹھانا چاہیے تھا اور نہ صرف بھرپور بلکہ جارحانہ انداز سے اٹھانا چاہیے تھا، لیکن ہمارا میڈیا خصوصاً الیکٹرونک میڈیا کا طرزِ عمل یہ ہوتا ہے کہ وہ ملکی مفاد کو تج کرتے ہوئے اور حالات کے تقاضوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اکثر عالمی میڈیا کے ساتھ اپنی آواز ملانے کے لیے شامل باجا ہو جاتا ہے۔ عالمی کھلاڑیوں کے مطالبات اگر آج حکومت اور مقتدر ادارے تسلیم کر لیتے ہیں تو وہ دوبارہ بلوچستان کے حوالہ سے خاموشی اختیار کر لیں گے، لیکن میڈیا سمیت پاکستان کے تمام طبقات بلوچستان کے عوام کے حقوق کی بحالی تک آواز اُٹھاتے رہیں۔ آخر میں ہم یہ عرض کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ جلتا سلگتا بلوچستان ہو یا پاکستان کے دوسرے مسائل حل کرنے کا معاملہ ہو، نظریاتی طور پر صراطِ مستقیم پر گامزن ہوئے بغیر کوئی مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔

بیابہ مجلس اسرار

مذہب کا کفن؟

اس دور کے اجتماعی تصورات میں ایک تصورِ وطن کی بنیاد پر قوم پرستی (nationalism) کا ہے۔ پچھلے زمانے کی قوم پرستی اکثر و بیشتر نسل کی بنیاد پر ہوتی تھی اور جو تصادم ہوتا تھا وہ بھی نسلی بنیاد پر ہوتا تھا' جبکہ انیسویں اور بیسویں صدی کا جو سب سے بڑا سیاسی تصور یورپ نے دیا ہے وہ وطنی قوم پرستی کا تصور ہے کہ ایک وطن کے اندر رہنے والے سب ایک قوم ہیں اور مذہب ہر ایک کا ذاتی مسئلہ ہے' چاہے کوئی ہندو ہو' سکھ ہو' پارسی ہو' عیسائی ہو' اس سے حکومت کو بحث نہیں ہے۔ ریاست سیکولر ہے' ریاست کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ ہاں جو بھی اس حدود کے اندر رہنے والے ہیں ان کو قومیت (nationality) مل جائے گی کہ وہ اس وطن کے رہنے والے ہیں اور اس ریاست کے شہری ہیں۔ اب ظاہر بات ہے کہ ہر اجتماعیت کو لازماً کوئی چیز ایسی چاہیے جو مرکزِ محبت بن جائے۔ اس لیے کہ اگر کسی چیز کے ساتھ جذباتی لگاؤ نہیں ہو گا تو اس کے ساتھ کیسے جڑیں گے' کیسے بنیانِ مرصوص بنیں گے' خطرات کا مقابلہ کیسے کریں گے؟ لہٰذا اس دور میں جو اصل معبود تراشا گیا ہے وہ وطن ہے۔ وطن کی محبت اور عظمت کے گن گائے جاتے ہیں' وطن کی آن پر کٹ مرنے کا درس دیا جاتا ہے' وطن کا نعرہ لگایا جاتا ہے۔ وطن کے جھنڈے کے سامنے باادب کھڑے ہو کر اسے سلامی دی جاتی ہے۔ وطن کا ایک ترانۂ حمد بھی ہوتا ہے جس کو قومی ترانہ کہا جاتا ہے۔ یہ مذہبِ وطنیت ہے جس کے یہ مراسمِ عبودیت ہیں۔ یہ اس دَور کا نیا شرک ہے اور اس کو ہمارے علماء میں سے کوئی نہیں سمجھ پایا۔ میں علامہ اقبال کی عظمتِ فکر کا اسی لیے قائل ہوں کہ اِس حقیقت کو سمجھنے والے اِس دَور میں صرف علامہ اقبال تھے۔ جس طرح انہوں نے حاکمیتِ اعلیٰ کے نظریے کو واضح کیا ہے' اسی طرح انہوں نے ''وطنیت'' کے بُت پر کاری ضرب لگائی ہے۔ ملاحظہ ہو:

اِس دَور میں مے اور ہے' جام اور ہے' جم اور
ساقی نے بِنا کی روشِ لطف و ستم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور
اِن تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

اقبال کے جذبے اور احساس کی شدت کا عالم دیکھئے! اس لیے کہ اُن کا مشاہدہ بہت گہرا تھا' انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ کتنا پانی دریائے راوی کے پل کے نیچے سے گزر چکا ہے۔ اب لات' منات' عزیٰ اور ہبل کی پوجا کا زمانہ گزر چکا ہے' اِن بُتوں کے پجاری آج نہیں ملیں گے' آج پوجا کسی اور شے کی ہو رہی ہے' اور اس جگہ پر سب سے بڑا بُت وطن ہے۔ اب ہمارے ہاں بھی یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ اس لیے کہ ہم نے اِن چیزوں کی حقیقت پر غور نہیں کیا۔ یہ جھنڈے کی سلامی چہ معنی دارد؟ یہ دراصل وطن کے مراسمِ عبودیت میں سے ہے کہ جب قومی ترانہ گایا جا رہا ہو تو آپ جھنڈے کے سامنے ساکت و صامت کھڑے ہو جائیں۔ یہ گویا وطن کی نماز ہے جو پڑھی جا رہی ہے اور ہم نے اسے سمجھا نہیں ہے۔ یہ مذہبِ وطنیت جو یورپ کا ایجاد کردہ تھا' اس کی تمام مذہبی رسومات (rituals) کو ہم نے جوں کا توں قبول کر لیا ہے۔

انبیاء و رسل علیہم السلام کی بعثت کا اصل مقصد

امیر تنظیم اسلامی محترم **حافظ عاکف سعید** حفظہ اللہ کے 10 فروری 2012ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

حضرات! پچھلے جمعہ میں نے ''رحمۃ للعالمینؐ'' کے حوالے سے گفتگو کی تھی اور یہ بتایا تھا کہ آپؐ کی رحمۃ للعالمینی کے بڑے مظاہر کون سے ہیں۔ آپؐ کی رحمۃ للعالمینی کا احاطہ کون کر سکتا ہے۔ البتہ اِس کے چند مظاہر جو بہت نمایاں ہیں اور جن کا قرآن نے بڑے اہتمام سے تین مرتبہ ذکر کیا ہے، میں نے اِن کا ذکر کیا تھا۔ یہ مظاہر دو ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے مقام و مرتبہ کا ادراک ہم کر ہی نہیں سکتے۔ یہ ہمارے بس کی بات ہی نہیں ہے۔ آپؐ کی شان اِس قدر بلند اور آپؐ کا مقام اتنا اونچا ہے کہ ہمارے ذہن نارسا کی وہاں تک رسائی ہو ہی نہیں سکتی۔ غالب کا بہت خوبصورت شعر ہے ۔

غالب ثنائے خواجہ بیزداں گزاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ خدا کے بعد کائنات میں سب سے عظیم اور قابل احترام ہستی آپؐ ہی کی ہے، جیسا کہ شیخ سعدیؒ نے کہا تھا ۔

لا یمکن ثناءک کما کان حقہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

سورۃ الاحزاب کی آیات 45، 46 میں کارِ رسالت کے حوالے سے آپؐ کے جو چند اوصاف حمیدہ بیان ہوتے ہیں: ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝﴾ وہ کسی نہ کسی درجے میں تمام رسولوں میں موجود تھے۔ چنانچہ ہر رسول شاہد و مبشر بھی ہوتا تھا اور نذیر بھی، داعی الی اللہ بھی ہوتا تھا اور ہدایت کا روشن چراغ بھی، لیکن اِن اوصاف میں تکمیلی شان نبی کریم ﷺ کی ہے۔ اگر دیکھا جائے تو اِس کا تعلق بھی عقیدۂ ختم نبوت سے جڑ جاتا ہے۔ ختم نبوت کا ایک مفہوم تو وہ ہے، جو ہر مسلمان کے ذہن میں واضح ہے کہ نبوت کا جو سلسلہ چلا آ رہا تھا، وہ آپؐ کی ذات گرامی پر آ کر ختم ہو گیا۔ امر واقعہ بھی ہے کہ سلسلۂ نبوت حضرت آدم علیہ السلام سے چلا تھا اور آپؐ پر آ کر منقطع کر دیا گیا اور طے کر دیا گیا کہ اب کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا۔ لیکن اِس کا مطلب یہ نہیں کہ خیر کا ایک کام جاری تھا، وہ آ کر رک گیا، بلکہ یہ ہے کہ آپؐ کی ذات گرامی پر دین کی تکمیل ہو گئی اور نبوت و رسالت اپنے نقطۂ عروج و کمال کو پہنچ گئی۔ بنا بریں نبوت و رسالت کا دروازہ اب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا۔ بہر کیف اِس میں کوئی شک نہیں کہ فریضۂ نبوت و رسالت کے حوالے سے رسولوں میں جو مشترک اوصاف ہیں، اُن میں بھی آپؐ تکمیلی مقام تک پہنچے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپؐ کے مشن کے حوالے سے بھی آپؐ امتیازی شان کے حامل ہیں۔ آپؐ کو دو چیزیں دے کر بھیجا گیا۔ ایک الہدیٰ یعنی قرآن حکیم ہے۔ قرآن مجید کامل ہدایت نامہ ہے، جس میں ہدایت ہر اعتبار سے مکمل ہو گئی ہے۔ انسان کو ہدایت کی احتیاج کس لیے ہے؟ ہدایت اصلاً ہمیں اِس لیے درکار ہے کہ امتحانِ زندگی میں کامیاب ہو سکیں۔ جس امتحان میں ہمیں ڈالا گیا ہے، اس میں کامیابی اور اُخروی فوز و فلاح کا اصل اور یقینی راستہ ہمیں یہ قرآن بتاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ زندگی کا یہ حصہ جو ہم یہاں گزار رہے ہیں، امتحان ہے۔ اِس کا نتیجہ آخرت میں نکلے گا۔ زندگی کا تسلسل دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی قائم رہتا ہے۔ انسان جب مر جاتا ہے تو وہ معدوم نہیں ہو جاتا، بلکہ اِس دنیا سے دوسری دنیا کو منتقل ہوتا ہے۔ اِس لیے کسی کی وفات پر ہم کہتے ہیں کہ وہ انتقال کر گیا ہے، دارِ فانی سے کوچ کر گیا ہے۔ الہدیٰ ہر اعتبار سے کامل ترین ہدایت نامہ ہے جو حضور ﷺ کو عطا ہوئی۔ اِس میں ہماری زندگی کے ایک ایک لمحے کے لیے اور ہر معاملے کے لیے خواہ وہ فکری ہو یا عملی، انفرادی ہو یا اجتماعی جامع ترین رہنمائی فراہم کی گئی ہے۔ یہ ہمارے لیے اِس زمین پر اور آسمان کے نیچے اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا تحفہ ہے۔ دوسرا عظیم ترین تحفہ دین حق، یعنی نظام عدل اجتماعی ہے۔ نظام عدل اِس لیے دیا گیا ہے، تاکہ لوگوں کے حقوق تلف نہ کیے جائیں، کوئی کسی کے حق پر ڈاکہ نہ ڈال سکے، سب لوگوں کو عدل و انصاف میسر آئے، بنیادی ضروریاتِ زندگی فراہم ہوں اور انسان ایک نارمل نفسیاتی کیفیت کے ساتھ زندگی کرے اور اُس کے لیے اُخروی کامیابی کا راستہ ہموار ہو۔ اگر نظام ظالمانہ ہو گا تو ساری مراعات اور حقوق ایک محدود اقلیت کے لیے ہوں گی اور انسانوں کی عظیم اکثریت اُن سے محروم ہو کر ابنارمل زندگی گزارنے پر مجبور ہو گی، اِس کیفیت میں وہ نارمل زندگی نہیں گزار سکیں گے۔

نبی اکرم ﷺ کی امتیازی شان کو سمجھنے سے پہلے ایک اصولی بات سمجھ لیجیے کہ رسولوں کے بھیجنے کا اصل مقصد کیا ہوتا ہے۔ اللہ نے یہ سلسلۂ رسالت کیوں جاری کیا؟ اِس حوالے سے قرآن مجید کے دو مقامات بہت اہم ہیں، ایک سورۃ النساء کی آیت 165 ہے، جس میں رسولوں کی بعثت کے اصل مقصد کا تذکرہ ہے۔ اِس سے پہلے دو آیات میں انبیاء و رسل کے ناموں کا ایک خوبصورت گلدستہ آیا ہے:

﴿اِنَّآ اَوۡحَيۡنَآ اِلَيۡكَ كَمَآ اَوۡحَيۡنَآ اِلٰى نُوۡحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ‌ ۚ وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰۤى اِبۡرٰهِيۡمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ وَعِيۡسٰى وَاَيُّوۡبَ وَيُوۡنُسَ وَهٰرُوۡنَ وَسُلَيۡمٰنَ‌ ۚ وَاٰتَيۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا ﴿۱۶۳﴾ وَرُسُلًا قَدۡ قَصَصۡنٰهُمۡ عَلَيۡكَ مِنۡ قَبۡلُ وَرُسُلًا لَّمۡ نَقۡصُصۡهُمۡ عَلَيۡكَ‌ ؕ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوۡسٰى تَكۡلِيۡمًا ﴿۱۶۴﴾﴾

''(اے محمدؐ) ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوحؑ اور ان سے پچھلے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی۔ اور ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور اولادِ یعقوبؑ اور عیسیٰؑ اور ایوبؑ اور یونسؑ اور ہارونؑ اور سلیمانؑ کو بھی وحی بھیجی تھی اور داؤدؑ کو ہم نے زبور بھی عنایت کی تھی۔ اور بہت سے پیغمبر ہیں جن کے حالات ہم تم سے پیشتر بیان کر چکے ہیں اور بہت سے پیغمبر ہیں جن کے حالات تم سے بیان نہیں کیے۔ اور موسیٰؑ سے تو اللہ نے باتیں بھی کیں۔''

پھر فرمایا:

﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيۡنَ وَمُنۡذِرِيۡنَ لِئَلَّا يَكُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ ۢ بَعۡدَ الرُّسُلِ‌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيۡزًا حَكِيۡمًا ﴿۱۶۵﴾﴾ (آیت:165)

''(سب) پیغمبروں کو (اللہ نے) خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے (بنا کر بھیجا تھا) تاکہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کو اللہ پر الزام کا موقع نہ رہے، اور اللہ غالب، حکمت والا ہے۔''

یہاں دو الفاظ ''مبشرین'' اور ''منذرین'' میں ساری بات سمیٹ دی گئی اور بتا دیا گیا کہ رسول کیا کام کرتے تھے۔ وہ ایک تو بشارت دیتے تھے، اُن لوگوں کو جو اللہ کے راستے پر چلیں کہ انہیں آخرت میں جنت ملے گی اور دوسرے ڈراتے تھے شیطان کے راستے پر چلنے والوں کو کہ انہیں آخرت میں بدترین انجام کا سامنا کرنا پڑے گا، اور جہنم کی دہکتی ہوئی آگ اُن کا مقدر ہوگی۔ انبیاء و رسل علیہم السلام اللہ کے راستے کی رہنمائی فراہم کرنے پر مامور ہوتے ہیں۔ اُن کے پیغام کا مرکزی نکتہ فکرِ آخرت ہوتا ہے۔ وہ لوگوں کو بتاتے ہیں کہ یہ اللہ کا بتایا ہوا سیدھا راستہ ہے، اِس پر چلو۔ وہ اہل ایمان کو بتاتے ہیں کہ اِس راستے پر چلو گے تو اگرچہ یہاں تمہیں تکالیف کا سامنا کرنا پڑے گا، تم پر ابتلائیں آئیں گی کہ جس نے بھی ایمان کے راستے کو اختیار کیا، حق کی راہ چنی، اُس کی ضرور آزمائش ہوئی ہے، لیکن اِس کا انجام یہ ہوگا کہ تمہیں آخرت کی دائمی زندگی میں کامیابی ملے گی۔ دوسری طرف وہ اللہ کے سرکشوں کو ڈراتے ہیں کہ تم شیطان کے راستے پر چلنے کے باوجود اگر دنیا میں پھل پھول رہے ہو تو یہ تمہاری آزمائش کے لیے ہے، یہ مال و متاع تمہارے امتحان کا ذریعہ ہے۔ ایک دن آئے گا جب اللہ کی عدالت میں تمہاری پیشی ہوگی اور تمہیں اپنے ہر ہر عمل کا حساب دینا ہوگا۔ اللہ تم سے پوچھے گا کہ زندگی کس انداز سے گزاری، تم دنیا میں کیا کرتے رہے ہو، اس کا حساب دو۔ انبیاء و رسل علیہم السلام کو لوگوں کی طرف اِس لیے بھیجا جاتا ہے تاکہ اُن کے پاس اللہ کے خلاف کوئی دلیل نہ رہ جائے۔ یعنی آخرت میں اللہ نے جو حساب کتاب لینا ہے، اور جزا و سزا کا جو معاملہ ہونا ہے اُس حوالے سے وہاں آدمی کوئی عذر نہ پیش کر سکے کہ پروردگار مجھے تو معلوم ہی نہ تھا کہ تو نے مجھے امتحان میں ڈالا ہوا تھا۔ میں تو اِس بات سے آگاہ ہی نہیں تھا کہ ایک دوسرا عالم بھی آنے والا ہے اور وہاں جزا و سزا ہوگی۔ میں تو اِس سارے معاملے سے بے خبر تھا۔ انبیاء و رسل کا بھیجا جانا گویا قطعِ عذر کا سامان ہے، جو اللہ کی طرف سے کیا گیا ہے۔

یہاں یہ بات واضح کر دی جائے کہ اگر کوئی بھی نبی اور رسول نہ آتا، تب بھی ہر شخص کا محاسبہ ہونا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ روزِ محشر اُس شخص سے بھی محاسبہ ہوگا کہ جس تک کسی نبی اور رسول کی دعوت نہیں پہنچی، ایسا نہیں ہے کہ اُس سے کوئی باز پرس ہی نہ ہو۔ یہ محاسبہ اُن پانچ چیزوں کی بنیاد پر ہوگا جو اللہ نے انسان میں ودیعت کی ہیں۔

محاسبہ کی اوّلین بنیاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو سماعت و بصارت عطا کی۔ دوسرے یہ کہ اسے عقل و خرد سے نوازا۔ قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

﴿وَلَا تَقۡفُ مَا لَـيۡسَ لَـكَ بِهٖ عِلۡمٌ‌ ؕ اِنَّ السَّمۡعَ وَالۡبَـصَرَ وَالۡفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۤـئِكَ كَانَ عَنۡهُ مَسۡـُٔوۡلًا ﴿۳۶﴾﴾

(سورۂ بنی اسرائیل)

''اور (اے بندے) جس چیز کا تجھے علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑ کہ کان اور آنکھ اور دل ان سب (جوارح) سے ضرور باز پرس ہوگی۔''

محاسبہ کی تیسری بنیاد یہ ہے کہ نفس انسانی کے اندر نیکی و بدی کا شعور الہام کیا گیا۔ نیکی و بدی کی پہچان فطرت انسانی میں رکھ دی گئی ہے۔ سورۃ الشمس میں فرمایا گیا:

﴿فَاَلۡهَمَهَا فُجُوۡرَهَا وَتَقۡوٰٮهَا ﴿۸﴾﴾

''پھر اس کو بدکاری (سے بچنے) اور پرہیزگاری کرنے کی سمجھ دی۔''

ہر شخص بنیادی طور پر یہ جانتا ہے کہ جھوٹ بولنا برا ہے، اور سچ بولنا اچھا ہے۔ ہمدردی اچھی شے ہے اور ظلم بری شے ہے۔ یہ چیزیں بنیادی اخلاقیات میں سے ہیں جو انسان کی فطرت میں شامل ہیں۔ اس لیے قرآن نیکی کو معروف کہتا ہے یعنی یہ لوگوں کے نزدیک جانی پہچانی شے ہے، اور برائی اور گناہ کو منکر کا نام دیتا ہے، یعنی اس سے انسان کی طبیعت نفرت کرتی ہے۔ انسان کے اندر اُس کا ضمیر سنسر کی صورت میں موجود ہے۔ اگر اُس کی فطرت بالکل ہی مسخ نہ ہوگئی ہو تو وہ اُسے برائی پر ملامت کرتا ہے۔

محاسبہ کی چوتھی بنیاد انسان کی روح میں اللہ کی ودیعت کردہ معرفت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں تمام ارواحِ انسانی سے اپنی بندگی کا عہد لیا۔ اُن سے پوچھا: ﴿اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ﴾ ''کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟'' ﴿قَالُوۡا بَلٰى﴾ (تمام ارواح نے) کہا کیوں نہیں، تو ہی ہمارا رب ہے۔ (ہم تیری ہی بندگی کریں گے)۔

محاسبۂ اُخروی کی پانچویں بنیاد وہ جذبہ محبت ہے جو روح میں رکھا گیا ہے۔ یہ معرفت اور محبت خوابیدہ ہے۔ اس کو بیدار کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کلامِ ربانی کی بارش ہوتی ہے۔ روح کو کلامِ ربانی کی غذا ملتی ہے تو اس کی صلاحیت ابھرتی ہے۔ رب کی معرفت کی نشانیاں نفس و آفاق میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اگر انسان ان میں غور کرے گا تو اللہ کی یاد تازہ ہو جائے گی۔ جیسے کوئلے کے اوپر راکھ پڑ جائے تو انگارہ دب جاتا ہے۔ اگر اُس راکھ کو ہٹا دیا جائے تو نیچے سے روشن انگارہ نظر آنے لگتا ہے۔ اللہ کو انسان جانتا اور پہچانتا ہے، لیکن اُس کے دل پر غلط تربیت اور ماحول کی کچھ گرد جم جاتی ہے۔ غور و فکر کرنے سے وہ گرد ہٹ جاتی ہے اور اللہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے اور انسان کا دل گواہی دیتا ہے کہ اللہ ہی کائنات کا خالق و مالک اور معبود ہے۔ توحید باری تعالیٰ کے لیے قرآن حکیم نے ایک بہت زوردار دلیل نہایت سادہ انداز میں پیش کی ہے کہ اگر زمین و آسمان میں ایک

سے زیادہ حاکم اور معبود ہوتے تو پھر فساد برپا ہو جاتا، اقتدار کی کھینچ تان ہوتی اور نظام کائنات درہم برہم ہو جاتا۔ اِس کائنات میں جو توازن اور توافق ہے اِس سے یہ واضح ہے کہ اِس کے پیچھے ایک ذہن، ایک ارادہ اور ایک ہی اختیار کارفرما ہے۔ یہ کائنات کی سب سے نمایاں حقیقت ہے، جسے یہ حقیقت دکھائی نہیں دیتی اُس سے بڑا اندھا اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو یہ صلاحیت دی ہے کہ وہ توحید باری تعالیٰ تک پہنچے۔ تفصیلی راہنمائی جو رسولوں کے ذریعے آتی ہے، اگر وہ نہیں پہنچی تو اُسے الاؤنس دیا جائے گا، لیکن توحید تک ہی نہ پہنچ سکا تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مقام انسانیت کا اہل نہیں اور بدترین سزا کا مستحق ہے۔

ان پانچ چیزوں کی بنیاد پر ہر شخص روزِ محشر جوابدہ ہوگا، چاہے اُس کے پاس کسی نبی اور کسی رسول کا پیغام نہ بھی پہنچا ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کے ساتھ ساتھ نبوت و رسالت اور کتابوں کا سلسلہ بھی جاری کیا۔ نبی لوگوں کو خیر کی دعوت دیتے اور بدی سے روکتے ہیں اور نیکی اور بدی کی پہچان اور بڑھا دیتے ہیں۔ جس سے انسان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ میرا اصل مقام کیا ہے۔ اُسے یہ بات یاد آجاتی ہے کہ میں کون ہوں، اور مجھے اللہ کو راضی کرنے کے لیے کیا کرنا ہے۔ میں اس امتحان زندگی میں کیسے سرخرو ہوسکتا ہوں۔ جب نبی آگئے، تو اخلاق کا پیکر، سیرت و کردار کا مجسمہ انسان کے سامنے آگیا۔ حق کی دعوت بھی سامنے آگئی اور نمونہ عمل بھی۔ ہر نبی نے اپنے دور میں روح میں چھپی یا دبی ہوئی چیزوں کو اجاگر کیا۔ اس سے گویا دو کام ہوگئے۔ ایک یہ کہ لوگوں کے لیے حق کو پہچاننا اور اسلام پر چلنا آسان ہوگیا۔ دوسرے یہ کہ ان پر حجت تمام ہوگئی۔ چنانچہ اب آخرت میں یہی نبی اور رسول کھڑے ہو کر گواہی دیں گے کہ اے اللہ، ہم نے ان لوگوں تک تیرا پیغام پہنچا دیا تھا۔ اب یہ اپنے اعمال کے لیے خود جواب دہ ہیں۔ یہ آج یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم تک اللہ کا پیغام پہنچا ہی نہیں، ہم سے جواب طلبی کیوں ہو رہی ہے۔ ہمارے نبی ﷺ نے تو اتمام حجت کے معاملے کو کمال تک پہنچا دیا۔ آپؐ نے لوگوں سے اِس کی گواہی بھی لے لی۔ خطبہ حجۃ الوداع آپؐ کا آخری خطبہ ہے۔ اس موقع پر آپؐ نے اپنی دعوت کے اہم نکات خوب کھول کر بیان فرمائے۔ سوا لاکھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مجمع تھا۔ حضور ﷺ ایک ایک لفظ تین تین مرتبہ بول رہے تھے۔ جب خطبہ ختم ہوگیا، تو آپؐ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا: الاء ھل بلغت؟ لوگو! بتاؤ، کیا میں نے تمہیں (پیغام حق) پہنچا دیا؟ تو صحابہؓ نے آپؐ کے پوچھنے پر چار باتیں کہیں۔ یا رسول اللہ ہم گواہ ہیں کہ آپؐ نے حق رسالت ادا کر دیا، حق امانت ادا کر دیا۔ یعنی آپؐ کے ذمہ قرآن کی امانت پہنچانا تھی، آپؐ نے پہنچا دی۔ آپؐ نے ہماری خیر خواہی کا حق ادا کر دیا۔ اور آپ کی بدولت گمراہیوں کے بادل چھٹ گئے۔ پھر آپؐ نے آسمان کی طرف نگاہ اُٹھائی اور انگشت شہادت سے اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ فرمایا: اللّٰھم اشھد ''اے اللہ تو بھی گواہ رہ (کہ میں نے پیغام حق پہنچا دیا)''

آخرت میں جب امتوں کو کھڑا کیا جائے گا تو ہر امت کے رسول کھڑے ہو کر کہیں گے کہ اے اللہ، تیرا جو پیغام مجھ تک پہنچا تھا، میں نے اسے ان لوگوں تک پہنچا دیا تھا۔ اب یہ اپنے عمل کے لیے خود جوابدہ ہیں۔ سورۃ النساء کی آیت 41 میں اس کا نقشہ یوں کھینچا گیا ہے۔ فرمایا:

﴿فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ شَهِيْدًا ﴿٤١﴾﴾

''بھلا اس دن کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے احوال بتانے والے کو بلائیں گے اور آپ کو ان لوگوں پر (حال بتانے کو) گواہ بنایا جائے گا۔''

بہرکیف رسولوں کو اتمام حجت کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ اُن کی دعوت سے معرفت کی وہ چنگاری جو غلط ماحول کے زیراثر دب چکی ہوتی ہے، روشن ہو جاتی ہے اور صراط مستقیم اُن کے سامنے آجاتی ہے۔ رسولوں کے ذریعے جب کائنات کی اصل حقائق لوگوں کے سامنے آتے ہیں، تو جن کی فطرت بالکل ہی مسخ نہ ہوگئی ہو، وہ بے اختیار پکار اُٹھتے ہیں کہ یہ دعوت ہمارے دل کی آواز ہے ۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہی میرے دل میں تھا

آدمی نے اگر باقی سارے فلسفے بھی پڑھے ہوں، ارسطو، افلاطون اور نطشے کو پڑھ ڈالا ہو، اُس کا دل کہیں بھی نہیں ٹھکے گا۔ دل کا اطمینان اُسے صرف وحی الٰہی ہی سے حاصل ہوگا ۔

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی، جو اماں ملی تو کہاں ملی
میرے جرم خانہ خراب کو تیرے عفو بندہ نواز میں

علامہ اقبال حکیم الأمت اور بہت بڑے فلسفی تھے۔ انہوں نے جرمنی کی یونیورسٹی میں جا کر فلسفہ پڑھا، اور اُس وقت پڑھا جبکہ فلسفہ کا عروج تھا۔ مگر جب وہاں سے واپس آئے، تو کہتے ہیں کہ زندگی کے آخری دنوں میں اُن کے سرہانے صرف ایک ہی کتاب ہوتی تھی اور وہ قرآن حکیم تھی۔ رسولوں کے آنے کے بعد انسان روزِ محشر کوئی عذر پیش نہ کر سکے گا۔ اب نوع انسانی کو کسی قسم کا الاؤنس نہیں مل سکے گا۔ رسولوں کے بھیجنے کا مقصد قطع عذر اور اتمام حجت ہے۔ ظاہر ہے کہ امتحان کچھ پڑھا اور سکھا کر لیا جاتا ہے۔ جب پڑھایا ہی کچھ نہ گیا ہو تو پھر امتحان کس چیز کا ہوسکتا ہے۔ یہ زندگی امتحان ہے۔ جس میں کامیابی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں گائیڈ بک قرآن کی شکل میں عطا فرما دی ہے اور یہ احسان عظیم بھی کر دیا کہ اعلیٰ ترین معلم اور کامل ترین رہبر کی رہنمائی بھی فراہم کر دی۔

رسولوں کی بعثت کا ایک مقصد تو اتمام حجت ہے، جیسا کہ پیچھے ذکر ہوا ہے اور اس مقصد بعثت کا دوسرا پہلو وہ ہے جسے سورۃ الحدید میں بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿٢٥﴾﴾

''ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان پر کتابیں نازل کیں اور ترازو (یعنی قواعد عدل) تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں اور لوہا پیدا کیا۔ اس میں (اسلحہ جنگ کے لحاظ سے) خطرہ بھی شدید ہے اور لوگوں کے لیے فائدے بھی ہیں اور اس لئے کہ جو لوگ بن دیکھے اللہ اور اس کے پیغمبروں کی مدد کرتے ہیں اللہ ان کو معلوم کرلے۔ بے شک اللہ قوی (اور) غالب ہے۔''

اِس آیت میں رسولوں کو بھیجنے کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ اُن کو واضح نشانیوں کے ساتھ اور کتاب اور میزان دے کر اس لیے بھیجا گیا ہے، تاکہ لوگ عدل پر قائم ہوں۔ انہیں عادلانہ نظام میسر آئے۔

رسولوں کی بعثت کے ان دونوں پہلوؤں کو ساتھ ملائیں گے تو پھر بات پوری طرح واضح ہوگی۔ اب رسولوں کے مقصد بعثت کے حوالے سے نبی کریم ﷺ کی امتیازی شان کون سی ہے، اِس پر گفتگو اگلے جمعہ ہوگی۔ (ان شاء اللہ)

[مرتب: محبوب الحق عاجز]

☆☆☆

ایمان بمقابلہ ٹیکنالوجی

شاہنواز فاروقی

ایمان اور ٹیکنالوجی کا موازنہ درست نہیں، اس لیے کہ ایک سطح پر ایمان خالق ہے اور ٹیکنالوجی مخلوق۔ ایک اور سطح پر ایمان آفتاب ہے اور ٹیکنالوجی محض ایک ذرہ۔ لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ فی زمانہ ایمان کی کمزوری بہت سے لوگوں کو ایمان اور ٹیکنالوجی کے موازنے پر مائل کرتی ہے۔ ہمیں یاد ہے کہ امریکا افغانستان کے خلاف جارحیت کا آغاز کررہا تھا تو پاکستان کے ایک ممتاز مذہبی رہنما نے کہا تھا کہ ہمیں امریکا اور اس کے اتحادیوں کے مقابلے کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہے: ایمان اور ٹیکنالوجی۔ اس بیان کا مطلب واضح تھا اور وہ یہ کہ بیان دینے والی شخصیت کے نزدیک امریکا کی ٹیکنالوجی کا مقابلہ محض ایمان سے نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو ایمان اور ٹیکنالوجی کے موازنے کا جواز پیدا ہوجاتا ہے۔ لیکن ان کے موازنے کی ایک اور بنیاد بھی ہے، اور وہ یہ کہ فی زمانہ لوگوں کی بڑی تعداد موازنے کے بغیر بہت سی چیزوں کو سمجھ ہی نہیں پاتی۔ علمی اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو اس موازنے کا ایک جواز ہے اور وہ یہ کہ ایمان باطن کی ٹیکنالوجی ہے اور ٹیکنالوجی ظاہر کا ایمان۔ لیکن اصل سوال تو یہ ہے کہ کیا صرف ایمان کے ذریعے ٹیکنالوجی کی قوت کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے؟

اس سوال کا واضح جواب یہ ہے کہ افغانستان میں ایمان نے نہ صرف یہ کہ ٹیکنالوجی کی بے پناہ قوت کا مقابلہ کیا ہے بلکہ اسے دس برسوں میں بدترین شکست سے دوچار کردیا ہے۔ لیکن افغانستان میں یہ ٹیکنالوجی پر ایمان کی پہلی فتح نہیں ہے۔ اس سے قبل ایمان افغان سرزمین پر سوویت یونین کی ٹیکنالوجی کو شکست سے دوچار کرچکا ہے۔ مگر اس فتح میں ایک ابہام تھا۔ کہنے والے کہتے تھے کہ مجاہدین کی فتح تھوڑی ہے، افغانستان میں ایک سپر پاور یعنی روس دوسری سپر پاور یعنی امریکا کے مقابل ہے۔ چنانچہ مجاہدین کی فتح دراصل امریکا کی فتح ہے۔ لیکن امریکا کے خلاف مجاہدین کو کسی سپر پاور کی حمایت حاصل نہیں، چنانچہ اِس بار ایمان کی فتح میں کوئی ابہام نہیں۔ جو کچھ ہے بالکل صاف اور واضح ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ایمان اور ٹیکنالوجی کے معرکے میں ایمان کو ٹیکنالوجی پر کیا فوقیت حاصل ہے؟

معنی کی تلاش انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔ انسان ہر چیز کے بغیر زندہ رہ سکتا ہے لیکن معنی کے بغیر وہ ایک لمحے بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ یہاں ایمان کی فوقیت یہ ہے کہ وہ جنگ کے معنی کا تعین کرتا ہے۔ اسے Define کرتا ہے۔ جنگ کے معنی جتنے واضح اور مبنی برحق ہوتے ہیں جنگ سے انسان کی وابستگی اتنی ہی گہری اور ہمہ گیر ہوجاتی ہے۔ ٹیکنالوجی بہت کچھ کرسکتی ہوگی مگر وہ جنگ کے معنی کا تعین نہیں کرسکتی۔ اس سلسلے میں تاریخ کا تجربہ یہ بتاتا ہے کہ ٹیکنالوجی یعنی خارج میں موجود طاقت جنگ کے معنی کو آلودہ اور تباہ و برباد کردیتی ہے۔ یہاں تک کہ جنگ کے معنی اور مقصد ہی انسان کے ذہن سے نکل جاتے ہیں۔ افغانستان میں امریکا کے ساتھ بھی ہورہا ہے۔ طاقت یعنی ٹیکنالوجی کے تکبر نے امریکا کے ذہن سے یہ بات نکال دی کہ وہ افغانستان میں کیوں آیا تھا؟ امریکا نے افغانستان میں جارحیت کی ابتدا کی تھی تو کہا تھا کہ اس جنگ کا مقصد طالبان کا خاتمہ ہے۔ مگر اب امریکا بعض طالبان سے مذاکرات کررہا ہے۔ جہاں تک کرزئی کا تعلق ہے وہ ایک عرصے سے امریکہ سے مطالبہ کررہا تھا کہ مجھے مذاکرات کی اجازت دی جائے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو ایمان اور ٹیکنالوجی کے درمیان طاقت کا ایک ہولناک عدم توازن پایا جاتا ہے۔ ایمان کا پلڑا معنی کے خالق ہونے کی حیثیت سے ٹیکنالوجی کے پلڑے کے مقابلے میں بہت زیادہ بھاری ہے۔ اگرچہ کسی ترازو کے پلڑوں میں دونوں کو ڈالنا مناسب نہ ہوگا لیکن عوام الناس کو سمجھانے کے لیے کہا جاسکتا ہے کہ اگر ایمان کا وزن ایک ٹن ہے تو ٹیکنالوجی کا وزن ایک تولہ ہے۔ دنیا خارج میں موجود طاقت کے عدم توازن کو تو دیکھتی ہے لیکن باطن میں موجود طاقت کے اس عدم توازن کا اسے شعور تو کیا ہوگا، اسے تو اس کی اطلاع بھی نہیں ہے۔ لیکن یہ تو ٹیکنالوجی پر ایمان کی فوقیت کا محض ایک پہلو ہے۔

ٹیکنالوجی پر ایمان کی فوقیت کا ایک پہلو یہ ہے کہ جنگ کے نقصان اور اس کی ہولناکی کو جذب کرنا جنگ لڑنے سے بھی زیادہ اہم ہے، اور یہ ایمان ہی ہے جو جنگ کے نقصان کو قابل برداشت بلکہ شہادت کے تصور کے مطابق قابل فخر بناتا ہے۔ ایمان بنیادی طور پر داخلی گنجائش کا دوسرا نام ہے۔ ایمان جتنا پختہ اور گہرا ہوتا ہے داخلی گنجائش اتنی ہی زیادہ ہوتی ہے۔ سوویت یونین کے خلاف جہاد میں 15 لاکھ سے زائد افغان باشندے شہید اور زخمی ہوئے مگر ایمان کی قوت نے افغان معاشرے کے لیے اتنے بڑے نقصان کو قابل برداشت بنادیا۔ اس کے برعکس سوویت یونین کے 20 سے 25 ہزار فوجی ہلاک ہوئے لیکن سوویت یونین بکھر کر رہ گیا۔ آج امریکا کے بارے میں بھی یہ سوال اُٹھایا جاسکتا ہے کہ وہ افغانستان میں اپنے کتنے فوجیوں کی ہلاکت کا بوجھ اُٹھا سکتا ہے؟ وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ اگر افغانستان میں امریکا کے دس ہزار فوجی مارے گئے تو امریکا میں کہرام برپا ہوجائے گا اور امریکا کی غیر معمولی ٹیکنالوجی اس کے قطعاً کام نہیں آئے گی۔

ایمان کی ایک بہت بڑی قوت یہ ہے کہ وہ انسان کو کوشش کے نتیجے میں انتظار کرنا سکھاتا ہے۔ اور جنگ کے نتیجے کا انتظار جنگ سے بھی زیادہ اہم ہوتا ہے۔ اس کے معنی اس کے سوا کیا ہیں کہ ایمان انسان کو بہت طویل جنگ لڑنے کے قابل بناتا ہے۔ اس کے برعکس ٹیکنالوجی کا تجربہ یہ ہے کہ وہ انسان کو بے صبرا بناتی ہے۔ انسان چاہتا ہے کہ اس کی کوشش کا، اس کی جنگ کا جلد از جلد نتیجہ برآمد ہو۔ جنگ میں طاقت کا بڑھتا ہوا استعمال اس بے صبری کا ایک مظہر ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ

(باقی صفحہ 12 پر)

نبی کریم ﷺ پر ہمہ پہلو ایمان

حافظ محمد مشتاق ربانی

ایمان زبان کے اقرار اور دل سے تصدیق کرنے کا نام ہے۔ ایمان بالرسالت بھی غیب پر ایمان لانے میں شامل ہے۔ ڈاکٹر سید ظفر الحسن مرحوم اپنے ایک مضمون ''وجود خارجی'' (جو اسلامی تعلیم کے شمارے مئی، جون 1973ء میں شائع ہوا، اور اس کا فٹ نوٹ علیحدہ جولائی، اگست 1973 میں چھپا) میں لکھتے ہیں: ''توحید کی مانند رسالت بھی ایمان بالغیب کی محکم اساس ہے۔'' رسول اللہ ﷺ پر ایمان دل کی گہرائی سے ہونا چاہیے۔ قرآن حکیم میں ان لوگوں کو منافق کہا گیا جو صرف زبان سے آپؐ کے رسول ہونے کی شہادت دیتے ہیں، لیکن وہ اندر سے غیر مطمئن ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(ترجمہ) ''(اے محمد ﷺ) جب منافق لوگ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم اقرار کرتے ہیں کہ یہ بے شک اللہ کے پیغمبر ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ درحقیقت آپؐ اس کے پیغمبر ہیں لیکن اللہ ظاہر کیے دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں۔''

(المنافقون:1)

اسی طرح پیارے حبیب ﷺ پر صرف اس قدر ایمان لانا کافی نہیں کہ آپؐ اللہ کے رسول گزرے ہیں بلکہ آپؐ پر ہر ہر پہلو سے ایمان لانا ضروری ہے۔ آپؐ پر ایمان لانے کی کئی ابعاد (Dimensions) ہیں، جنہیں علماء کرام نے بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے۔ علامہ ابو جعفر طحاوی (ت 321ھ) نے عقیدہ طحاویہ میں رسول اللہ ﷺ کی بابت چار نکات بیان کیے ہیں۔

ا) آپؐ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے، اس کے منتخب نبی اور پسندیدہ رسول ہیں

ب) آپ ﷺ خاتم الانبیاء، امام الاتقیاء، سید المرسلین اور پروردگار عالم کے محبوب ہیں

ج) آپ ﷺ کے بعد نبوت کا ہر دعویٰ گمراہی و جہالت ہے

د) آپؐ جن وانس اور پوری کائنات کی طرف حق و صداقت، رشد و ہدایت اور نور و ضیاء کے ساتھ مبعوث ہوئے۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ بات نہایت سادہ سی ہے کہ آپ ﷺ پر ایمان لایا جائے، لیکن اس ایمان لانے کے کئی گوشے ہیں، جن میں سے کچھ یہاں بیان کیے جا رہے ہیں۔

آپؐ کے ساتھ ساتھ، جملہ انبیاء و رسل کو بھی مانا جائے

آپؐ پہلے رسول نہیں ہیں بلکہ آپؐ سے پہلے بہت سے انبیاء و رسل گزرے ہیں۔ آپؐ پر ایمان کے ساتھ ساتھ ان تمام انبیاء پر ایمان لانے سے ایمان بالرسالت کی تکمیل ہوتی ہے۔ آنحضور ﷺ تہجد میں جو دعا پڑھتے تھے اس میں ایک جملہ یہ بھی تھا: ((وَالنَّبِيُّوْنَ حَقٌّ وَّ مُحَمَّدٌ حَقٌّ)) ''تمام انبیاء کرام برحق تھے اور محمد ﷺ برحق ہیں۔'' اس وقت تک کوئی شخص مسلمان نہیں کہلا سکتا جب تک وہ آپ ﷺ کے ساتھ جملہ انبیاء کرام پر بھی ایمان نہ لائے۔ لکھا کہ آپ ﷺ کے زمانے میں بہت سے یہود آپ ﷺ کی رسالت اور شریعت پر ایمان لانے کو تیار تھے مگر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے کے لیے تیار نہیں تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی دوستی کے فوائد سے محروم رہنا گوارا کیا، مگر سیدنا مسیح علیہ السلام کی سچائی سے ان کا محروم رہنا قبول نہ فرمایا۔ (بحوالہ سیرت النبیؐ جلد چہارم، علامہ شبلی نعمانی ر سید سلیمان ندوی)

یہود سے قرآن میں صاف کہہ دیا گیا:

''کہو کہ اے اہل کتاب کیا ضد ہے تم کو ہم سے مگر یہی کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو (کتاب) نازل ہوا ہم پر اور جو نازل ہو چکا پہلے اور یہی کہ تم میں اکثر نافرمان ہیں۔'' (المائدۃ:59)

اس آیت میں ﴿وما انزل من قبل﴾ کے الفاظ خاص طور پر توجہ طلب ہیں، جن میں کہا گیا ہے کہ ہم پہلی کتب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو مختلف انبیاء و رسل پر نازل ہوئیں۔

جس طرح یہودیوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دوری تھی اسی طرح قریش کو بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے چڑ تھی، لیکن قریش کی ہمدردی و حمایت حاصل کرنے کی خاطر آپؐ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت و تقدیس پر کوئی حرف نہ آنے دیا۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

''اور جونہی ابن مریم کی مثال دی گئی، تمہاری قوم کے لوگوں نے اس پر غل مچا دیا۔ اور کہنے لگے ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ (عیسیٰ)۔ یہ مثال وہ تمہارے سامنے کج بحثی کے لیے لائے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ ہیں ہی جھگڑالو لوگ۔ (سیدنا مسیح علیہ السلام) اس کے سوا کچھ نہ تھے کہ وہ ایک بندہ تھا کہ جس پر ہم نے انعام کیا اور بنی اسرائیل کے لیے بطور مثال بنایا۔''

(الزخرف:57 تا 59)

قرآن حکیم کے یہ شواہد اس پر دلالت کرتے ہیں کہ اسلام تفریق بین الرسل کا قائل نہیں ہے بلکہ یہ تمام انبیاء پر ایمان لانے کا داعی ہے۔ ایمان بالرسالت کے حوالے سے ایک بنیادی اصول ہے کہ ﴿لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ﴾ ''ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے (بلکہ سب پر ایمان رکھتے ہیں)''۔ یہ مضمون سورۃ النساء کی آیات میں بڑی تفصیل سے وارد ہوا ہے۔ اِن آیات کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے کفر کرتے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم کسی کو مانیں گے اور کسی کو نہ مانیں گے، اور کفر و ایمان کے بیچ میں ایک راہ نکالنے کا ارادہ رکھتے ہیں، وہ سب پکے کافر ہیں۔ اور ایسے کافروں کے لیے ہم نے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے اور جو لوگ اللہ اور اس کے تمام رسولوں کو مانیں اور ان کے مابین تفریق نہ کریں، ان کو ہم ضرور ان کے (نیکیوں کا) اجر عطا کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا درگزر فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''

(النساء:150 تا 152)

یہ تمام آیات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ ہمیں انبیا کرام علیہم السلام کے مابین تفریق کرنے کی اجازت نہیں، اور ہر ایک پر ایمان لانا چاہیے۔ اِسی طرح کسی نبی کا نام لے کر آپ ﷺ کی اس پر فضیلت و برتری ظاہر کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ ہمارے ہاں بعض نعت گوئی کرنے والے حضرات اس بات کی پروا نہیں کرتے اور ان کے نعتیہ کلام

سے انبیاء کرام کے مابین مقابلہ بازی دکھائی دیتی ہے۔ ہاں! البتہ بعض انبیاء کو ایسے خصائص ملے ہیں جو دوسرے انبیاء کو حاصل نہ تھے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلیم اللہ ہونے کا اعزاز باقی کسی نبی کو حاصل نہ تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو معجزات دیے گئے وہ دوسرے انبیاء کے پاس نہ تھے۔ اسی طرح آنجناب ﷺ کو جو بعض امتیازات ملے، وہ کسی اور کے حصے میں نہ آئے۔ ہمیں ہر ایک کی تکریم وعزت کرنی چاہیے۔ وہ سب اللہ کی برگزیدہ ہستیاں تھیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(ترجمہ) "یہ رسول (جو ہماری طرف سے انسانوں کی ہدایت پر مامور ہوئے) ہم نے ان کو ایک دوسرے پر فضیلت عطا کی۔ ان میں سے کوئی ایسا تھا جس سے اللہ تعالیٰ خود ہم کلام ہوا، کسی کو اس نے دوسری حیثیتوں سے بلند درجے دیے اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو روشن معجزے دیے اور روح پاک (جبرائیل) سے اس کی مدد کی۔" (البقرہ:253)

آپ ﷺ کو خاتم النبیین مانا جائے

آپ ﷺ آخری نبی ہیں۔ آپؐ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں۔ جو کوئی کسی نوع کی نبوت ایجاد کر کے اس کا دعویٰ کرے گا وہ کذّاب ہے۔ آپ ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب اور آپ ﷺ کے ارشادات محفوظ ہیں، لہٰذا بعد میں آنے والے انسانوں کے لیے ہدایت و راہنمائی کتاب اللہ وسنت رسولؐ کی صورت میں موجود ہے۔

ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم "روح اسلام" میں لکھتے ہیں:

"ایک کامل نبی پر نبوت کا اختتام وحدت خدا اور وحدت انسانیت کا ایک لازمی نتیجہ ہے۔ اگر انبیاء کا سلسلہ تاقیامت جاری رہتا تو اس بات کی امید بھی نہ ہوسکتی کہ کسی وقت نوع انسانی ایک کامل نبی کی روحانی قیادت میں ایک کامل تصورِ حیات پر متحد ہوجائے گی۔"

یہ ختم نبوت کا بڑا احسان ہے کہ جدید دور کے تقاضوں اور نئے آمدہ مسائل کے لیے شریعت میں اجتہاد کا راستہ کھلا رہے گا۔ یہ کسی بھی صورت بند نہیں ہوسکتا۔ یہ اور بات ہے کہ اس اجتہاد کے اہل مخصوص اہل علم ہی ہوسکتے ہیں۔ ہر ایک عالم کے بس کی یہ بات نہیں۔

جن امور کی آپؐ نے خبر دی، ان کی تصدیق کی جائے

آپؐ پر ایمان کا ایک پہلو یہ ہے کہ جن امور کے بارے میں آنجناب ﷺ نے ہمیں بتلایا ہے ان کے وقوع پذیر ہونے پر ایمان لایا جائے۔ احمد بن حجر (قطر) اپنی کتاب "تطہیر الجنان والأرکان عن درن الشرك والکفران" (عربی) میں محمد رسول اللہ ﷺ کے معنی لکھتے ہیں: "تصدیقه فیما أخبر" جن امور کی آپؐ نے اطلاع دی، ان امور کی تصدیق کی جائے۔ ان میں سے بعض اشراط الساعة (قیامت کی نشانیوں) سے متعلق ہیں۔ ضروری نہیں ہے کہ ان امور کا ہم مشاہدہ کرسکیں۔ پس ان کو ہمیں ہر طور سے برحق ماننا چاہیے بشرطیکہ ان امور کے ہم تک پہنچنے کے ذرائع درست ہوں۔

آپؐ کو واجب الاطاعت مانا جائے

آنجناب ﷺ کو صرف خاتم النبیین ﷺ مان لینا کافی نہیں ہے، بلکہ آپؐ کو واجب الاطاعت ماننا بھی لازمی ہے۔ ایسے کئی لوگ پائے جاتے ہیں جو آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا آخری نبی تو مانتے ہیں لیکن آپ ﷺ کی اطاعت کو ضروری نہیں سمجھتے ہیں۔ آپ ﷺ صرف اپنی حیات میں ہی واجب الاطاعت نہ تھے بلکہ قیامت تک ہر دور کے لوگوں کے لیے واجب الاطاعت ہیں۔ یہ سادہ سا شعر نہایت برمحل ہے۔

ایھا المبعوث فینا
جئت بالأمر المطاع

ان تمام پہلوؤں کے حوالے سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنجناب ﷺ پر ہمہ پہلو سے ایمان لایا جائے، اور آپؐ کے ساتھ ہمارا تعلق عقیدت ومحبت والا ہو۔ ہمیں آپؐ پر ایمان لانے کا داعی ہونا چاہیے۔ اس بابرکت ہستی پر ایمان کی وجہ سے ہی ہمارے دلوں کی بستی آباد ہے۔ آپؐ پر ہمیں ایمان کو تازہ کرتے رہنا چاہیے اور اپنے دلوں کا جائزہ لیتے رہنا چاہیے کہ ہمارے دل کس درجے تک آپؐ کی تصدیق کرتے ہیں۔ پھر ہی ہمارے دین وایمان کی تکمیل ہوسکے گی۔

دعائے مغفرت کی اپیل

- تنظیم اسلامی حلقہ کراچی شمالی کے رفقاء جناب شجاع الدین شیخ کے والد
- جناب فہیم اختر زیدی (وسطی) کے والد
- اور جناب عمران حمید کے سسر رحلت فرماگئے ہیں

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ قارئین و رفقاء سے بھی دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔ اللّٰھم اغفرلھم وارحمھم وادخلھم فی رحمتك وحاسبھم حسابًا یسیرًا

خلافت فورم

صوبہ بلوچستان کی پاکستان کے ساتھ شمولیت رضا کارانہ تھی یا جبری؟
بلوچستان کے عوام کے ساتھ زیادتیوں اور ناانصافیوں کا آغاز کب اور کیسے ہوا؟
کیا بلوچستان میں تمام ملٹری آپریشنز صرف فوجی ادوار میں ہوئے سیاسی حکومتوں نے کوئی زیادتی نہیں کی؟
بلوچستان کے حوالے سے خفیہ ایجنسیوں پر لگنے والے سنگین الزامات کی حقیقت کیا ہے؟
امریکی کانگریس کی ایک کمیٹی میں بلوچستان کے حوالے سے سماعت: کیا یہ پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں؟
بلوچستان میں غیر معمولی امریکی دلچسپی کیا امریکہ یہاں مشرقی تیمور یا جنوبی سوڈان طرز کی کسی ریاست کا خواب تو نہیں دیکھ رہا؟
صوبہ بلوچستان کے حالات کی خرابی میں کون کون سے ممالک ملوث ہیں اور وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟
صوبہ بلوچستان پاکستان کے لیے انتہائی اہم ہے اس کے حالات کیسے ٹھیک ہوسکتے ہیں؟

ان سوالات کے جواب تنظیم اسلامی کی ویب سائیٹ
www.tanzeem.org "خلافت فورم" میں دیکھیے

تجزیہ نگار : جناب **ایوب بیگ مرزا** (ناظم شعبہ نشر واشاعت تنظیم اسلامی)

میزبان : **وسیم احمد**

پروگرام کے بارے میں اپنی آراء وتجاویز media@tanzeem.org پر ای میل کریں

پیشکش: شعبہ سمع وبصر مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

"اُس کو ہم نے پرے کر دیا......"

خلافتِ عثمانیہ کے آخری ایام کا تذکرہ
جس میں مسلمان حکمرانوں اور عسکری قائدین کے لیے درسِ عبرت موجود ہے

اخذ و ترجمہ: ذکی خالد

سلطان عبد الحمید ثانیؒ اکیلے بیٹھے تھے۔ خلافتِ عثمانیہ کے آخری ایام تھے۔ ابلیسی قوتیں چاروں طرف سے مسلمانوں اور بالخصوص ترک ریاست پر شدید حملے کررہی تھیں۔ سلطان عبدالحمید کے پاس ساتھیوں کی تعداد بہت کم تھی۔ جو رہ گئے تھے، ان میں سے بھی بیشتر نے بغاوت کررکھی تھی اور سلطان کا ان پر سے بھروسا اُٹھ چکا تھا۔ چند لوگ جو وفادار رہ گئے تھے، ان میں سے ایک اعلیٰ عہدے پر فائز فوجی جرنیل تھا۔ اس پر سلطان عبدالحمید کو پورا بھروسا تھا۔ یہ واقعہ ترکی کے ایک محقق محمد عاکف نے بیان کیا ہے اور اِس کا ترک زبان سے اردو میں ترجمہ آپ کے مطالعہ کے لیے پیش کیا جارہا ہے۔

محمد عاکف کا کہنا ہے کہ جب خلافتِ عثمانیہ کا خاتمہ کیا گیا تھا، اسی وقت زمین والوں پر لعنت برسنا شروع ہوگئی تھا۔ جب خلافت ہٹادی جائے تو ایسے ہی لعنت ٹپکتی ہے اور چیخ چیخ کے کہتی ہے: "تم لوگ ہو جنھوں نے خلافت کا خاتمہ کیا!"۔ 3 مارچ 1924ء سے لے کر آج تک امتِ مسلمہ اسی لعنت میں گرفتار ہے۔ جو لوگ اللہ کے نظام کو ایک طرف رکھ کر انسانی ساختہ نظامِ زندگی کے پیچھے بھاگتے ہیں، وہ دنیا اور آخرت دونوں میں ذلیل ورسوا ہوتے ہیں۔ جمہوریت، کمیونزم، یہ سارے نظام طاغوتی ہیں جو قرآن و سنت سے بغاوت کے مرتکب ہیں۔ جو لوگ اللہ کے دین کی پیروی کریں گے، ان کا ثواب ان کے ربّ کے پاس ہے، اور جو طاغوت پر ایمان رکھتے ہیں، وہ اللہ کی ناراضی مول لیتے ہیں۔

مسجد سلطان احمد کا ضعیف

محمد عاکف بیان کرتے ہیں:

"علی الصبح میں جامع مسجد سلطان احمد جاتا ہوں۔ جب مسجد کے محراب پر نظر پڑتی ہے تو اس کے ساتھ ٹیک لگائے ایک ضعیف آدمی کو پاتا ہوں۔ اس کا چہرہ اور بال دودھ کی طرح سفید ہیں۔ وہ ہمیشہ آنسو بہاتا ہے۔ میں روزانہ صبح مسجد میں سب سے پہلے اُسے ہی دیکھتا ہوں۔ وہ محراب کے ساتھ بیٹھ کر تسبیح کرتا اور روتا رہتا ہے۔ ایک روز میں اس ضعیف العمر شخص کے پاس گیا اور پوچھا: "آپ کیوں روتے ہیں؟ کیا آپ کو اللہ کی رحمت سے دوری محسوس ہوتی ہے؟ آپ کے آنسو بہانے کی کیا یہ وجہ ہے؟ دل چھوٹا نہ کریں، اللہ کی رحمت آرہی ہے"۔ وہ آدمی خاموش رہا۔۔۔ محمد عاکف دوبارہ بولے، "سمجھ گیا، آپ باہر دیکھتے ہیں کہ خلافت تباہ ہوگئی اور ہم کس حال میں ہیں۔ کتنی بیوقوفی کی تھی ہم تُرکوں نے۔ اسی لیے آپ روتے ہیں"۔ اس بوڑھے آدمی نے یہ بات سن کر جواب دیا: "خدارا، میری زبان مت کھلواؤ، میرا دل پھٹ جائے گا!"۔ "بولیے تو سہی!" محمد عاکف نے کہا۔ چند لمحے مزید خاموش رہنے کے بعد وہ آدمی بولا: "ٹھیک ہے، بتاتا ہوں...... میں خلیفہ سلطان عبدالحمیدؒ کے دور میں ایک اعلیٰ درجے کا جرنیل تھا۔ میرے والدین فوت ہوچکے تھے۔ اِزمیر کے علاقہ میں میری بہت جائیداد تھی۔ لہٰذا میں نے خلافت عثمانیہ کے آخری ایام میں خلیفہ کو اپنا استعفا ارسال کیا، تاکہ میں فوج سے ریٹائرڈ ہو جاؤں۔ سلطان نے فوراً جواب تحریر کیا، "نہیں، اس وقت ہمیں گوارا نہیں کہ تمہیں جانے دیں۔ ہمیں ایک بہت بڑی مصیبت کا سامنا ہے اور مجھے تم جیسے لوگوں کی اشد ضرورت ہے۔ لہٰذا میں تمہاری یہ درخواست فی الوقت منظور نہیں کرسکتا۔"

اس بوڑھے جرنیل نے واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: "میں جواب سن کر مایوس ہوگیا تھا۔ مگر ہمیں بہت کام کرنا تھا۔ ایک روز مجھے استنبول جانا پڑا تو جاتے وقت میں نے سوچا "جاتے جاتے سلطان سے مل لیتا ہوں"۔ ان دنوں بہت بڑے عہدہ پر ہونے کی بنا پر میں بغیر اجازت خلیفہ سے ملنے جاسکتا تھا۔ صبح سویرے سلطان کے دربار کا دروازہ عام لوگوں کے لیے کھلا ہوتا تھا اور ہزاروں کی تعداد میں لوگ آرہے تھے، اور سلطان کی موجوگی میں شکایات درج کرا رہے تھے، سوالات پوچھ رہے تھے...... یہ بہت بُرا وقت تھا......"

پھر میں سلطان کے پاس پہنچا: وہ اپنے میز پر تشریف فرما تھے۔ میری طرف دیکھتے ہوئے انھوں نے اپنا سر نیچے کرلیا اور اِس جانب دیکھنا ہی چھوڑ دیا۔ میں نے عرض کی "یا امیر المومنین، میں نے آپ کو ایک خط تحریر کیا تھا؟"۔ انھوں نے جھٹ سے جواب دیا "ہم نے تمہیں اس کا جواب بھی بھیج دیا تھا"۔ "جناب، میں اسی لیے آپ کے ہاں پیش ہوا ہوں، تاکہ آپ سے دوبار اجازت طلب کرلوں"۔ سلطان اپنا سر نفی میں ہلا رہے تھے۔ وہ میری طرف دیکھ بھی نہیں رہے تھے۔ میں نے ایک بار پھر درخواست کی۔ بالآخر انھوں نے سر اُٹھا کر مجھے گھورتے ہوئے پوچھا، "پھر ہم کیا کریں؟ کیا کریں ہم......؟ تم بہت کچھ مانگ رہے ہو، نکل جاؤ!" خلیفہ عبدالحمیدؒ نے میرے استعفا پر دستخط کردیے اور مجھے ہاتھ سے اشارہ کرکے فارغ کردیا۔

ہم ترکوں کے ہاں روایت ہے کہ اگر کوئی شخص آپ کی طرف ہتھیلی کرے اور پھر ہاتھ ہلائے اس کا مطلب ہے وہ دعاؤں کے ساتھ آپ کو رخصت کر رہا ہے۔ جبکہ اگر کوئی ہاتھ کا اُلٹا (اوپر والا) حصہ دکھا کر رخصت کردے اس کا مطلب ہے کہ "دفع ہو جاؤ، مجھے تم سے کچھ لینا دینا نہیں"۔ سلطان عبدالحمیدؒ نے بھی مجھے ہاتھ کا اُلٹا حصہ دکھا کر اشارہ سے نکال باہر کیا، جس کو دیکھ کر مجھے بہت مایوسی ہوئی۔ مگر اُس وقت میں کیا کرتا؟ میں بھی تو مجبور تھا! اور ویسے بھی، جو ہونا تھا سو ہو چکا اور میں لوٹ کر واپس آگیا۔"

رسول اللہ ﷺ عثمانی فوج کی نگرانی فرماتے ہوئے

بوڑھے جرنیل نے بات آگے بڑھاتے ہوئے

کہا: ''اس کے بعد کئی ایسے واقعات رونما ہونے لگے جن سے مجھے اندازہ ہونا شروع ہوگیا کہ خلیفۂ وقت کیوں مجھے جانے نہیں دے رہے تھے''۔ وہ بوڑھا جرنیل اپنی کہانی سناتا رہا۔ ''ایک رات مجھے انوکھا خواب آیا...... جس میں مجھے عثمانی فوج دکھائی دی، جو سیدھی صفیں بنا کر کھڑی تھی۔ تمام جرنیل فوج کے سامنے کھڑے تھے، سلطان عبد الحمیدؒ آئے اور انھوں نے تمام جرنیلوں کو سلیوٹ کیا۔ رسول اللہ ﷺ فوجیوں کے سامنے کھڑے اُن کا معائنہ فرما رہے تھے۔ سلطان عبدالحمیدؒ نے عرض کی: ''یا رسول اللہ ﷺ، اسلام کا لشکر تیار ہے، آپ حکم کیجیے، ہم لبیک کہیں!'' عثمانی لشکر کے تمام فوجی رسول اللہ ﷺ کی جانب دیکھ رہے تھے، ما سوا میرے۔ مجھے دور کھڑے آپ ﷺ چاند کی طرح روشن دکھائی دے رہے تھے۔ پر میں ان کا مبارک دیدار نہ کر پایا، مجھے وہ سعادت ہی نہ ملی۔

رسول اللہ ﷺ نے شروع سے لے کر آخر تک عثمانی فوج کی تمام بٹالینز کا معائنہ فرمایا۔ آخری بٹالین کی قیادت مجھے کرنی تھی، مگر میں وہاں موجود نہیں تھا، جس کی وجہ سے میرے تمام فوجی ناگفتہ بہ حالت میں بے ترتیب کھڑے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے سلطان عبد الحمیدؒ کی جانب دیکھا اور فرمایا: ''اے سلطان! اس گروہ کا جرنیل کہاں ہے؟'' اِس پر سلطان نے اپنا سَر شرم سے جھکا کر عرض کی ''یا رسول اللہ ﷺ، اُس کو پہلے ہی مستعفی ہونے کی پڑی تھی۔ میں اسے بھیجنا نہیں چاہتا تھا، مگر وہ بار بار درخواست کر رہا تھا۔ ایک وقت آیا کہ پھر میں انکار نہ کر پایا۔ لہٰذا مجبور ہو کر میں نے اس کا استعفا منظور کر لیا۔ میں نے اسے پَرے کر دیا''۔ رسول اللہ ﷺ نے سلطان عبد الحمیدؒ کی جانب دیکھ کر فرمایا: ''اے سلطان! جس کو تو نے پَرے کر دیا، اُس کو ہم نے پَرے کر دیا!''

آخر میں اس ضعیف جرنیل نے اپنی کہانی کا اختتام کرتے ہوئے کہا: ''اُس دن سے لے کر آج تک مجھے رات کو چین کی نیند نہیں آئی...... میں ہمہ وقت آنسو بہاتا ہوں، پر مجھے خواب نہیں آتے۔ اس خواب کے اگلے روز ہی میں نے سب کچھ چھوڑ دیا۔ میں نے اپنا سب کچھ لوگوں میں بانٹ دیا۔ اللہ بہر حال میرا رزق بھیجتا ہے، مگر میں نے شکست کھائی۔ مجھے رسول اللہ ﷺ کا مبارک دیدار نصیب نہیں ہوا۔ اُس دن کے بعد سے مجھے اچھے خواب نہیں آئے۔''

ترجیح اوّل صرف اللہ کی رضا ہونی چاہیے

محمد عاکف نے بوڑھے جرنیل کا یہ واقعہ بیان کیا۔ اس کے اختتام پر وہ لکھتے ہیں کہ انسان جس حالت میں زندگی بسر کرتا ہے اُسی حالت میں وہ آخرت کے روز اٹھایا جائے گا۔ اگر انسان اپنے مالک اللہ کو سب سے بڑا سمجھے گا تب اللہ بھی اُس کو اہمیت دے گا۔ اور اگر کوئی شخص اللہ کو دوسرے درجہ پر رکھے یعنی کسی اَور کو ترجیح دے، تو اس بیوقوف شخص کا انجام صرف بربادی اور رُسوائی ہے۔ پہلی ترجیح صرف اور صرف اللہ ذوالجلال کو دینی چاہیے۔ اگر تمام دنیا بھی کہے کہ اللہ کی بات بعد میں ہوگی اہمیت بعد میں، تو ہم دنیا والوں کی بات نہیں مانیں گے۔ ہماری ترجیح اوّل صرف اور صرف اللہ (کی رضا) ہونی چاہیے۔ اللہ کہتا ہے کہ میری بندگی کے راستے پر چلتے ہوئے جو مانگو گے وہ ملے گا۔ اگر تم میری بندگی کی شاہراہ پر چلو گے اور مجھ سے محبت کرو گے تو میں بھی تم سے محبت کروں گا۔ جو انسان اللہ کی بندگی سے دست بردار ہوگا وہ دنیا اور آخرت دونوں میں خواری و رسوائی مول لے گا۔ اگر آپ اللہ کے لیے زندگی وقف نہیں کر رہے تو آپ کی کوئی حیثیت نہیں، کوئی مقام نہیں، پھر تو آپ کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے، سوائے اُس کے کہ گھوڑے یا گدھے کے برابر۔ نہیں جی، ان حیوانوں کی تو پھر بھی کوئی اہمیت ہے، کیونکہ اللہ نے خود انہیں شعور نہیں بخشا، مگر صاحب شعور انسان اگر اللہ اور اُس کے نظام کو اہمیت نہیں دیتے، تو انہیں زندگی میں خواہ کتنے بھی عہدوں اور رتبوں سے نوازا جائے، آخرت میں ان کی ذرّہ برابر حیثیت نہ ہوگی۔ ان کے سارے ''رتبے'' عارضی ہیں۔ زندگی کے آخری موڑ پر 'ریٹائرڈ' کی مہر لگا کر وردی اتروا دی جائے گی اور گھر بھیج دیا جائے گا، تا کہ وقتِ مقررہ پر وہ اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملیں۔

کل تک یہ ضعیف شخص جس کا واقعہ بیان کیا گیا، عثمانی فوج کا ایک سینئر جرنیل تھا، اور آج وہ ایک معمولی انسان بن کر رہ گیا ہے، جس کے سارے رتبے اور سارے اختیارات سلب ہیں۔ اب وہ دوبارہ اپنے مرتبہ پر نہیں پہنچ سکتا۔ وہ چاہتا تو اس وقت خلیفہ وقت کی بات مان لیتا، اور آج پورا نقشہ تبدیل ہوا ہوتا، مگر اب وہ چاہ کر بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ سب رتبے، عہدے ختم، خطابات ختم، سب کچھ ختم ہو گیا۔

بقیہ: اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کرنے والے!

دلائل پڑھتا ہوں تو حیرت میں ڈوب جاتا ہوں۔ وہی فقہی اختلاف میں بات کو الجھانے کی کوشش کی گئی۔ جامعۃ الازہر کے کچھ علماء کا بھی حوالہ دیا گیا۔ کیا کسی بھی مکتبۂ فکر کا کوئی عالم دین یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ سود کو حلال قرار دیتا ہے۔ اس فیصلے میں ایک اور کمال کی بات ہے۔ موجودہ بینکاری کے ساتھ ساتھ اسلامی بینکاری کا قابل عمل نظام بھی شروع کرنے کی ہدایت کی گئی یعنی ایک ایسی کھڑکی کھولیں جس میں اسلامی کھاتے داری بھی میسر آئے یعنی ایک ایسی دکان جس پر جائز اور ناجائز چیز بیک وقت مل سکے۔

سود کی یہ لعنت سرمایہ دارانہ معیشت کی بنیاد ہے جسے تحفظ دینے کے لیے جمہوریت کا خوبصورت لبادہ تیار کیا گیا ہے۔ تمام اسلامی بینک اپنے معاملے کو اس وقت تک حلال نہیں کر سکتے جب تک ملک کے اندر ایک متوازی سودی نظام بھی چل رہا ہو اور بینکوں کے درمیان لین دین بھی ہوتا رہے۔ اسی معیشت کا ایک اور گورکھ دھندا کرنسی نوٹ ہیں اور پھر ان کی قیمتوں کا اتار چڑھاؤ ہے جس پر افراط زر کا افسانہ تراشا گیا ہے، تا کہ روپے کی قیمت کے ساتھ نتھی کر کے سود کا جواز پیدا کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ایک حدیث میں اس دور کی نشاندہی کی ہے جب اس دنیا پر اسلامی خلافت کا نفاذ ہوگا اور اللہ کا دین سب پر غالب آ جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''بنی نوع انسان پر وہ وقت یقیناً آئے گا جب کوئی ایسی چیز باقی نہیں رہے گی سوائے درہم و دینار کے (سونے اور چاندی کے سکوں کے)۔ (مسند احمد)

سود کے اس مسئلے کا حل نہ عدالتوں میں ہے اور نہ پارلیمنٹ کے پاس۔ سرمایہ دار، جاگیردار اور کارپوریٹ کلچر کے حامی یہ لوگ صرف سسٹم بچانے کی جدوجہد کر سکتے ہیں اور وہ آج بھی کر رہے ہیں کیونکہ اسی میں ان کی بقاء ہے۔ اسی سسٹم کی وجہ سے ان کے نام کا ڈنکا بجتا ہے۔ لیکن انہیں اندازہ نہیں کہ یہ سب کے سب مل کر بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کا اعلان کر دیں، تب بھی فتح ان کا مقدر نہیں۔ یہ سب فتح پانچ سالہ اقتدار اور تیس سالہ نوکری کو سمجھتے ہیں۔ ہٹو بچو کی صدائیں ان کی فتح ہے، لیکن میرا اللہ اسے فتح قرار نہیں دیتا۔

(بشکریہ روزنامہ ایکسپریس)

دعوت ضروری کیوں؟

حافظ محمد عاصم قاسمی

آج مکہ کی وادی میں ایک عجیب سماں تھا۔ ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ تیز آندھی اور بارش نے لوگوں کو اس قدر خوفزدہ کر دیا کہ لوگ اپنے گھروں کے اندر بند ہو کر رہ گئے تھے۔ بجلی کی زوردار کڑک دلوں کے اندر ایک عجیب وحشت پیدا کر رہی تھی۔ بجلی کی اس چمک سے پورا مکہ روشن ہو جاتا اور پھر وہی اندھیرا ہر طرف دکھائی دیتا تھا۔ ماؤں کو اپنے بچوں کی فکر تھی۔ تاجروں کو اپنے مال تجارت کی، رؤسائے مکہ کو اپنے پیسے کی، باغ والوں کو اپنے باغ کی، غلاموں کو اپنی جان کی اور سب سے بڑھ کر سردارانِ مکہ کو اپنی سرداری کی۔ لیکن اس آندھی اور طوفان سے بھرے موسم اور اس وحشت ناک اندھیرے میں ایک شخص اپنے گھر سے نکلتا ہے اور مکہ کی تاریک گلیوں میں سے ہوتا ہوا اپنی منزل کی جانب تیز تیز قدم اُٹھاتا ہے۔ آج آسمان بھی حیرت زدہ ہو کر اس کے کردار کو عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس تیز آندھی اور طوفان سے بھرے موسم، اس وحشت ناک اندھیرے میں کس چیز نے اُس کو مجبور کیا ہے کہ وہ اپنے گھر سے نکلے۔ بہر حال تمام خطرات سے بے خوف ہو کر وہ قدم بڑھاتا ہے اور ٹھیک اپنی منزل پر جا کر رُک جاتا ہے۔ دروازے پر دستک دے کر ایک طرف کھڑے ہو کر انتظار کرتا ہے کہ اندر سے وہ آدمی جس کو اُس نے ٹارگٹ کیا تھا، آئے تو وہ اپنی بات کو اُس کے سامنے رکھ سکے۔ دستک کی آواز سن کر گھر کے اندر والا آدمی چونک جاتا ہے کہ اِس خوفناک اندھیرے میں، اس آندھی اور طوفان سے بھرے موسم میں کون ہو سکتا ہے؟ بہر حال دل میں سوچتا ہے کہ کوئی بہت ضرورت مند ہے۔ آج جو مانگے گا اسے دے دوں گا۔ وہ دروازے کی طرف تیز تیز قدم اُٹھاتا ہے۔ جلدی سے دروازہ کھولتا ہے۔ کیا دیکھتا ہے کہ دروازے کے ایک طرف ایک آدمی چہرے پر نہایت معصومیت لیے کھڑا ہے۔ وہ شخص باہر آتا ہے تو وہ آدمی اس کے سامنے اپنی اسی بات کو دہراتا ہے جو پہلے بھی کئی مرتبہ کہہ چکا تھا۔ اُس شخص کے ماتھے پہ بل پڑتے ہیں، سخت غصے کی حالت میں دروازہ بند کر لیتا ہے لیکن اس شخص کا رویہ، اس کا یہ غصہ اُس کے ارادوں کو متزلزل نہ کر سکا اور وہ ایک نئے ارادے اور اُمید کے ساتھ واپسی کی راہ لیتا ہے کہ دوبارہ کسی وقت پھر اپنی بات کو اس کے سامنے رکھے گا، شاید کہ میری بات اس کے دل میں اُتر جائے۔

وہ شخص کون تھے؟ وہ محمد رسول اللہ ﷺ تھے، جنہیں ہر روز اس طرح کے واقعات کا سامنا کرنا پڑا۔ کبھی کسی کی طعن و تشنیع کو برداشت کرنا پڑا۔ کبھی جادوگر، دیوانہ، مجنون جیسے الفاظ سننے پڑے اور کبھی شعب ابی طالب میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ کبھی طائف کی بستی میں پتھر کھانا پڑے اور ایک کافر کی پناہ لے کر مکہ میں داخل ہونا پڑا۔ کبھی اپنے آباء واجداد کی سرزمین کو چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت کرنا پڑی تو کبھی جہاد و قتال کے مراحل طے کرنا پڑے، کیوں؟ آج ہر وہ مسلمان جو عاشق رسولؐ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس کے لیے یہ بات سوچنے کی ہے جو نبیؐ نے ارشاد فرمائی۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تمام انبیاء کی تکلیفوں کو اگر جمع کر لیا جائے تو جو تکلیفیں مجھے دی گئیں وہ اُن سب سے زیادہ ہیں۔

میری اِن معروضات کے مخاطب سب مسلمان اور خاص طور پر تنظیم اسلامی کے رفقاء ہیں، جنہوں نے اس چیز کی بیعت کر رکھی ہے کہ پروردگار، تیرے دین کی دعوت و اقامت کے لیے اپنا مال بھی لگائیں گے اور اپنی جان بھی، اپنا وقت بھی لگائیں گے اور اپنی سوچ بھی۔ آج ہم اپنے گریبانوں میں جھانکیں کہ ہم اس عہد کو کس حد تک پورا کر رہے ہیں۔ آج ہم نے کتنے لوگوں کو اپنا ہدف بنا رکھا ہے کہ اُن کے سامنے اپنی دعوت کو رکھیں۔ کتنے لوگوں کے پاس خود چل کر جاتے ہیں۔ ہم شادی بیاہ کی رسومات کے لیے اپنے رشتہ داروں کو شادی کارڈ بھیجتے ہیں اور پھر فون کر کے تسلی کرتے ہیں کہ کارڈ مل گیا ہے کہ نہیں۔ لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ دین کی اس دعوت کے لیے جسے میں نے اور آپ نے قبول کیا، ہم کتنی کوشش کرتے ہیں۔ شادی کے لیے تو ہم روٹھوں کو بھی منا لیتے ہیں لیکن دین کی دعوت کو ہم اُن لوگوں تک بھی نہیں پہنچاتے جو ہم سے روٹھے ہوئے نہیں، بلکہ راضی ہیں۔

یاد رکھیے! اللہ کو اپنا دین بہت محبوب ہے۔ اس دین کی دعوت کے لیے انبیاء ؑ نے مختلف تکلیفیں برداشت کیں۔ بہت سے نبیوں کو قتل کیا گیا۔ سب سے بڑھ کر ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو دین حق کے راستے میں بے انتہا تکلیفیں دی گئیں۔ وہ دعوت کیا تھی کہ جس کے لیے نبی اکرم ﷺ نے ہر طرح کی قربانیاں دیں۔ کیا یہ محض اس بات کی دعوت تھی کہ اللہ کو مان لیا جائے اور بس؟ نہیں بلکہ اس کے دین کو پوری دنیا میں پھیلا دیا جائے۔ اہل مکہ آپؐ کی مروت و شرافت، امانت و دیانت کے تو قائل تھے، انہیں اختلاف اِس بات پر تھا کہ آپؐ انہیں ایک اللہ کی بندگی کی دعوت کیوں دیتے اور اُن سے پوری زندگی کو اللہ کے رنگ میں رنگنے کا تقاضا کیوں کرتے تھے۔ اہل مکہ مانتے تھے کہ آپؐ اچھے انسان ہیں، انہیں پریشانی یہ تھی کہ ہمارے نظام زندگی پر روک ٹوک نہ لگائی جائے۔ وہ سمجھتے تھے کہ محمد (ﷺ) کہتے ہیں کہ سود حرام ہے، جبکہ ہم تو اس میں بہت خوش ہیں، ہماری ساری تجارت کا انحصار ہی سود پر ہے۔ اس کو چھوڑ کر تو ہم بھوکے مر جائیں گے۔ آپؐ کہتے ہیں کہ بچیوں کو زندہ درگور نہ کرو، یہ تو ہماری پرانی روایت ہے جو ہمارے آباء واجداد سے چلی آ رہی ہے، اسے کیسے چھوڑ دیں۔ غلام تو ہماری ملکیت ہیں، ہم ان پر جتنا چاہیں ظلم کریں۔ نبی اکرم ﷺ کی دعوت نے اِن تمام منکرات پر ضرب لگائی۔ آپؐ نے واضح فرما دیا کہ یہ زمین اللہ کی ہے، یہاں پر اُسی کا حکم چلے گا۔ آپؐ کی دعوت محض نماز روزے کی دعوت نہیں تھی کہ نماز پڑھو، اپنی انفرادی عبادت کرو اور اللہ اللہ خیر صلاّ، بلکہ آپؐ کی دعوت

(باقی صفحہ 16 پر)

پیمپر والی فوج

انصار عباسی

شاید ہی کبھی کسی صحافی کے ساتھ ایسا ہو کہ وہ کسی خبر پر کام کرے اور ہنسی ہو کہ رکنے کا نام نہ لے۔ چند روز قبل مجھے پتا چلا کہ پاکستان کی طرف سے نیٹو سپلائی کی بندش کی وجہ سے امریکی و نیٹو افواج کو جہاں اور کئی مسائل کا سامنا ہے، وہیں اُن کو پہننے کے لیے پیمپر میسر نہیں، جس کی وجہ سے پہلے سے شکست خوردہ امریکی فوجیوں کو طالبان مجاہدین سے لڑنے میں کافی مشکلات کا سامنا ہے۔ اس خبر پر میں نے امریکی سفارت خانہ کے علاوہ ایساف کے نمائندہ سے بھی رابطہ کیا۔ ایساف کی طرف سے تو کوئی جواب ملا مگر امریکی سفارتخانہ کے ترجمان کا کہنا تھا کہ نہ تو وہ فوجی ہے اور نہ ہی اسے معلوم ہے کہ امریکی و نیٹو فوجی پیمپر پہن کر افغانستان میں ''بہادری'' سے لڑ رہے ہیں۔

جب میں نے انٹرنیٹ پر اس معاملہ میں کھوج لگانے کی کوشش کی تو پتا چلا کہ یہ خبر گزشتہ ماہ کے شروع میں کسی اردو اخبار میں چھپ چکی تھی اور اس کے علاوہ انٹرنیٹ پر بھی اس معاملہ میں بحث جاری تھی۔ اس موضوع پر میں جس سے بھی بات کرتا، میری طرح دوسری طرف بھی ہنسی چھوٹ جاتی۔ خبر چھپنے پر بہت سے پڑھنے والوں کا یہی حال تھا جبکہ ایک امریکی اہلکار نے مجھے فون کر کے صحافت کا سبق پڑھانے کی کوشش کی۔ میں نے جواب میں عرض کیا کہ پہلے یہ سبق خود پڑھ لو اور اپنے میڈیا کو پڑھا لو، پھر مجھ سے بات کرنا۔ اس امریکی کا کہنا تھا کہ یہ خبر نہیں بلکہ افسانہ ہے۔ میں نے اسے کہا کہ اس خبر کو لکھتے ہوئے میں نے تمام صحافتی اصولوں کو ملحوظ خاطر رکھا۔ میں نے اس امریکی اہلکار سے پوچھنے کی جسارت کی کہ امریکی حکومت اور امریکی میڈیا کا عراق کے WMDs (انتہائی مہلک ہتھیار) کے متعلق افسانہ گھڑنے اور اس کے نتیجے میں دس لاکھ سے زائد مسلمانوں کو شہید کرنے پر اُس کا کیا تبصرہ ہے؟؟ اس پر امریکی خاموش ہو گیا اور کہنے لگا کہ آپ ایک اچھے صحافی ہیں اور آپ سے یہ توقع نہ تھی کہ آپ امریکی فوجیوں کے پیمپر کے متعلق خبر دیں گے۔

امریکیوں کی سبکی اور ردّ عمل اپنی جگہ مگر ایک قاری کا کہنا تھا کہ امریکی فوجیوں کا پیمپر پہن کر لڑنا تو سمجھ میں آتا ہے کہ وہ طالبان کے ڈر اور خوف سے ایسا کرنے پر مجبور ہیں، دیکھنا یہ چاہئے کہ واشنگٹن میں بیٹھے ہوئے کچھ جرنیل اور اعلیٰ حکمران بھی کہیں افغانستان میں امریکا کی موت دیکھ کر پیمپر پہننے پر مجبور تو نہیں ہو گئے۔ سب سے دلچسپ ردّ عمل پاکستان تحریک انصاف کی رہنما اور سینئر تجزیہ نگار ڈاکٹر شیریں مزاری کی طرف سے باقاعدہ ایک پریس ریلیز کے طور پر موصول ہوا جو درج ذیل ہے۔

"CEO of STR, Dr Shireen Mazari today made a plea as a wife and mother to the US to please wean their soldiers off pampers in Afghanistan as soon as possible so that they are able to fight like adults on behalf of the US military. Clearly the diaper usage is hindering their soldiering despite the hi-tech weapons which they are clad in. It is obvious the diaper is their Achilles heel! Of course the need for diapers also reflects the terror that strikes these soldiers when they confront or even search out the enemy! Meanwhile in a similar vein, Dr Mazari has issued a humanitarian plea to the Pakistan government and state to retrieve the pampers from the NATO containers and send them to the US forces in Afghanistan. Or perhaps humanitarian NGOs in Pakistan especially those receiving US funding can purchase pampers locally and gift them to US forces. This would also be a small boost to our economy! The US has embezzled us of money owed to the CSF; it has imprisoned innocent Pakistanis in Guantanamo Bay; its citizens have used violence against innocent Pakistanis in the US; it has murdered our innocent tribals in drone attacks; the list goes on. But before we are accused of depriving the US soldier of his basic human rights by the many US assets now come to live in Pakistan, and purely on humanitarian grounds, let us not stand in the way of the US soldier and his diaper!

Shireen Mazari
CEO

بقیہ: ایمان بمقابلہ ٹیکنالوجی

اس بات کا مفہوم اس کے سوا کیا ہے کہ محض ٹیکنالوجی کے سہارے پر طویل جنگ نہیں لڑی جا سکتی۔ سوویت یونین جو وقت کی ایک سپر پاور تھا، افغانستان میں دس سال سے بھی پہلے بری طرح تھک گیا تھا اور اُس کے حریف مجاہدین اُس وقت بھی تازہ دم تھے۔ آج امریکا افغانستان میں آٹھ سال سے بھی کم عرصے میں بری طرح ہانپ رہا ہے اور اس کے حریف مجاہدین تازہ دم ہیں۔ یہاں تک کہ افغانستان کے ایک کمانڈر نے اس حوالے سے اقوالِ زریں میں شامل کیے جانے کے لائق بات کہی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ امریکا کے پاس گھڑی ہے اور ہمارے پاس وقت ہے۔ کہنے کو یہ افغان کمانڈر کا فقرہ ہے مگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دراصل ایمان کا بیان ہے، اور اس بیان میں وقت ایمان کی اور گھڑی ٹیکنالوجی کی علامت ہے۔

اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کرنے والے!

اوریا مقبول جان

زیرِنظر کالم اگرچہ رواں ہفتہ کا نہیں ہے بلکہ چند ہفتے پہلے روزنامہ ایکسپریس میں شائع ہوا ہے۔ تاہم موضوع کے اعتبار سے اُس کی خصوصی اہمیت کے پیشِ نظر اسے کالم آف دی ویک کی جگہ شائع کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

وہ آئین پاکستان جس کے تحفظ کا بخار اس وقت پاکستان کے ہر لبرل، سیکولر، اسلام پسند، شدت پسند اور کٹر مولوی نما دانشوروں، صحافیوں، سیاستدانوں، وکلاء، افواج کے ذمہ داروں اور عدلیہ کے ممبران کو چڑھا ہوا ہے اور ہر کوئی اپنی بساط کے مطابق زور بیان سے بھی کام لے رہا ہے۔ اس آئین کی خلاف ورزی کرنے والے پر لعن طعن کی جاتی ہے اور اسے توڑنے والے کو غداری کا مرتکب قرار دیا جاتا ہے۔ آئین بالادست ہے اور اسے ہونا بھی چاہیے کہ مہذب دنیا کی جمہوریت نے دنیا کو یہی سکھایا ہے۔ اسی آئین پاکستان کی شق 38 (ایف) پورے پاکستان پر ایک ذمہ داری عائد کرتی ہے۔ شق کہتی ہے: ''حکومت جس قدر جلد ممکن ہو سکے ربا (سود) کو ختم کرے گی۔'' اس آئین کو بنے ہوئے 38 سال ہو چکے، لیکن یہ ''جلد ممکن'' کی مہلت ختم نہیں ہوئی۔ اس آئینی ذمہ داری کے ساتھ جو مذاق ان 38 سالوں میں منتخب نمائندوں، فوجی ڈکٹیٹروں اور عدلیہ کے قابل احترام ججوں نے کیا کسی اور ملک میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ آئین سے مذاق کا حساب تو سولہ کروڑ عوام نے لینا ہے لیکن اس مذاق کے پردے میں انہوں نے قرآن کے مطابق اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کے اعلان پر ڈھٹائی اور ثابت قدمی سے قائم رہنے کا جو راستہ نکالا اور پوری پاکستان قوم کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مخالف لشکر میں لا کھڑا کیا، اس کے جواب کے لیے روزِ قیامت کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ اس ساری روداد کی تفصیل دردناک اور عبرتناک ہے۔

پاکستان کی تخلیق دنیا میں رائج نسل، رنگ زبان اور علاقے کی بنیاد پر قومیتوں کے نظریے کے برخلاف اس بنیاد پر ہوئی تھی کہ کلمہ پڑھنے والا راجپوت، آرائیں، لغاری، گبول، کاکڑ، خٹک، مینگل اور بزنجو، کلمہ نہ پڑھنے والوں سے مختلف قوم سے تعلق رکھتا ہے۔ ایسا تاریخ میں صرف مدینۃ النبیؐ میں ہوا جب بدر کے میدان میں کلمہ گو خون کے رشتوں کے مقابل آ گئے، تاریخ میں دوسرا مقام قیام پاکستان کے وقت آیا۔ ایک رنگ، نسل، زبان اور علاقے کے لوگ صرف کلمہ طیبہ کی بنیاد پر جدا ہو گئے۔ صرف جدا نہ ہوئے بلکہ دس لاکھ لوگوں نے اپنے خون سے اس لکیر کو مستحکم کیا۔

اس مملکت خداداد پاکستان کی پہلی اسمبلی جس کے الیکشن لڑنے کے ٹکٹ قائداعظم نے خود جاری کیے تھے، انہوں نے قرارداد مقاصد منظور کی، جس کا مقصد تھا کہ اس دنیا کی بادشاہت اللہ کے پاس ہے اور اس کا قانون ہی اس ملک کا حقیقی قانون۔ یہ قرارداد مقاصد اس وقت سے لے کر آج تک تمام آئینوں کا حصہ رہی ہے۔ اسی لیے تمام آئینوں میں قوانین کی تدوین کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل موجود رہی۔ یہاں تک کہ ڈکٹیٹروں کے بنائے گئے عبوری آئینوں میں بھی یہ کونسل موجود رہی۔

اس اسلامی نظریاتی کونسل نے پاکستان بننے کے سترہ سال بعد اس بات کا جائزہ لینا شروع کیا کہ اس ملک کا بینکاری نظام اسلام کے مطابق ہے کہ نہیں۔ 1964ء سے 1966ء تک اسلامی نظریاتی کونسل نے دو سال کے عرصہ میں تمام بینکاری نظاموں کا جائزہ لیا اور سودی معیشت کو حرام قرار دے کر سودی لین دین کو ممنوع قرار دینے کی سفارش کی۔ تین سال بعد 3 دسمبر 1969ء کو اسلامی نظریاتی کونسل نے اپنی رپورٹوں کا اعادہ کیا۔ یہ سارا دور ایوب خان اور یحییٰ خان کی ''آمریت'' اور ذوالفقار علی بھٹو کی جمہوریت کا تھا۔ یہ کونسل آئینی ادارہ تھا، (لیکن سود میں گم معیشت کے خوف سے پہلے کسی بھی حکمران نے اس طرف توجہ تک نہ دی)۔

اس کے بعد ''حضرت'' ضیاء الحق کی حکومت اسلام کا پھریرا لہراتی ہوئی آئی اور اس نے 1977ء ہی میں اسلامی نظریاتی کونسل سے سود کے خاتمے کے لیے رجوع کیا۔ کونسل نے 25 جون 1980ء کو سود کے خاتمے کے لیے ایک متبادل نظام تجویز کیا اور طریقہ کار کی نشاندہی بھی کر دی۔ دلوں کا کھوٹ یہاں سے پتہ چلتا ہے۔ اس سودی کاروبار کو ختم کرنے کی بجائے ٹال مٹول کا پرانا طریقہ کار اپنایا گیا، یعنی ایک بین الاقوامی سیمینار منعقد کروایا گیا لیکن نتیجہ ان کے حق میں نہ نکلا اور سیمینار جس کا موضوع اسلام کا اقتصادی نظام تھا اس کے شرکاء نے اسلامی نظریاتی کونسل کی تجاویز کی حمایت کر دی۔ کونسل نے سیمینار کی رپورٹ کا جائزہ لیا اور کہا کہ سود کے خاتمے کے لیے حکومت جو اقدامات کر رہی ہے وہ اس کی سفارشات کے بالکل الٹ ہیں۔ ادھر سپریم کورٹ نے ''اعلیٰ ظرفی'' کا مظاہرہ کرتے ہوئے ضیاء الحق کو آئین میں ترمیم کا اختیار دے دیا۔ نظریہ ضرورت کی بنیاد پر قائم حکومت کے لیے اسلام سب سے بڑا ''نظریہ ضرورت'' تھا۔ اس لیے آئینی ترامیم کے تحت وفاقی شرعی عدالت قائم کی گئی اور سپریم کورٹ میں شریعت اپیل بینچ بنایا گیا۔ یہ سب 1980ء میں ہوا۔ لیکن نیتوں کا فتور اور سود سے محبت کا یہ عالم تھا کہ وفاقی شرعی عدالت پر یہ آئینی پابندی لگا دی گئی کہ یہ دس سال تک مالی معاملات میں شریعت کے حوالے سے کسی کیس کو سننے کا اختیار نہیں رکھتی۔ یعنی ہم اسی عدالت کے زیر سایہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ جاری رکھیں گے۔ اس وفاقی شرعی عدالت کا ایک اور تضحیک آمیز پہلو یہ تھا کہ اس کے فیصلے کے خلاف اگر کوئی عام آدمی سپریم کورٹ میں اپیل لے کر جائے گا تو بغیر پیشی کے وہ اپیل منظور ہو جائے گی اور شرعی عدالت کے فیصلے پر خود بخود حکم امتناعی جاری ہو جائے گا۔ یہ دنیا کی عدالتی تاریخ کا سب سے ذلت آمیز رویہ تھا جو کسی عدالت کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ لیکن جن کے دلوں میں درد تھا وہ بڑی شدت سے دس سال گزرنے کا انتظار کر رہے تھے۔ ضیاء الحق اپنے اعمال کا حساب دینے اللہ

کے پاس جا پہنچے تھے۔ یوں 1990ء میں دس سالہ مدت ختم ہوئی تو محمود الرحمٰن فیصل نامی ایک اللہ کے بندے نے وفاقی شرعی عدالت میں سود کے خلاف پٹیشن دائر کر دی۔ اب تو تانتا بندھ گیا اور عدالت میں 115 درخواستیں جمع ہوگئیں۔ عدالت نے سب کو جمع کیا اور ایک سال کی قلیل مدت میں روزانہ کی سماعت کر کے اکتوبر 1991ء میں 157 صفحات پر مشتمل تفصیلی فیصلہ دے دیا گیا۔ اس فیصلے کے تحت 30 جون 1992ء تک متعلقہ قوانین میں ترمیم کرنے کو کہا گیا اور یکم جولائی 1992ء سے تمام سودی کاروبار کو غیر قانونی قرار دیا گیا۔

اس کے بعد 1992ء سے 1999ء تک ٹال مٹول، اور عیارانہ چال بازیوں کی ایک سات سالہ تاریخ ہے جس میں نواز شریف اور بینظیر کی دونوں حکومتیں شریک ہیں۔ وفاقی شرعی عدالت کے خلاف سپریم کورٹ کے شریعت بینچ میں اپیلیں دائر ہوئیں۔ چونکہ یہ بنچ تین ریگولر ججوں اور دو علماء پر مشتمل ہونا تھا اس لیے اوّل تو علماء کا تقرر ہی نہیں کیا گیا اور اگر کبھی بنچ پورا ہونے لگتا تو کسی عالم دین کو ایک نوٹیفکیشن کے ذریعے سماعت کے دوران فارغ کر دیا جاتا۔ آخر کار بنچ مکمل ہوا، جس میں خلیل الرحمٰن، منیر اے شیخ، وجیہہ الدین احمد، مولانا تقی عثمانی اور محمود احمد غازی شامل تھے۔ انہوں نے طویل بحث و مباحثے، دنیا بھر سے ماہرین کی رائے اور وکیلوں، معیشت دانوں اور علمائے کرام کو سننے کے بعد فیصلہ تحریر کر لیا۔ اس دوران ملک پر سیکولر، لبرل اور امریکی کاسہ لیس پرویز مشرف کی حکومت آ چکی تھی۔ اسے اس بات کا علم ہوا کہ ایسا ہونے والا ہے تو فوراً ایک چال چلی گئی کہ بنچ مکمل نہ ہو سکے۔ اس چال کا شکار یا شریک علامہ محمود احمد غازی ہو گئے جنہوں نے نیشنل سیکیورٹی کونسل کی ممبر شپ کا حلف اُٹھا لیا۔ لیکن شاید جلد بازی میں پرویز مشرف آئین پڑھنا بھول گیا کہ زیادہ سے زیادہ دو علماء کا ذکر ہے، اس لیے ایک سے بھی کام چل سکتا ہے۔ یوں اس ملک کی تاریخ میں سپریم کورٹ نے ایک ہزار کے قریب صفحات پر مشتمل تفصیلی فیصلہ دے دیا جس میں جون 2001ء تک حکومت کو مہلت دی گئی کہ تمام سودی کاروبار کو ختم کر دے۔ یہ طرۂ امتیاز صرف اور صرف پاکستان کو حاصل ہے کہ اس کی سپریم کورٹ نے سود کو حرام قرار دیا۔ اسی سپریم کورٹ نے جہاں شرعی طور پر سود کو حرام قرار دیا وہاں عبدالودود خان کے متبادل اسلامی بینکاری کے نظام کو سراہا۔ کیونکہ تمام علماء وہاں آدھی جنگ لڑتے رہے۔ یہ بتاتے رہے کہ اسلام کے نزدیک سود حرام ہے لیکن متبادل پیش نہ کر پائے جس پر عبدالودود خان سپریم کورٹ پہنچے اور شیخ محمود احمد کے بنائے ہوئے اسلامی بینکاری کے نظام کو وہاں پیش کیا۔ اس کے بعد کی کہانی جو اگلے دس سالوں پر محیط ہے وہ اس مملکت خداداد پاکستان کی حکومت اور عدلیہ کا روشن باب نہیں ہے۔

سود کے خلاف سپریم کورٹ کا طویل تفصیلی فیصلہ جب 23 دسمبر 1999ء کو آیا تو ابھی پرویز مشرف کی نحوست کا اس ملک پر آغاز ہی ہوا تھا لیکن وہ سب لوگ جو گزشتہ باون سال سے اس ملک کی اساس اسلام پر کبھی ڈھکے چھپے اور کبھی کھلے انداز میں مسلسل حملے کرتے چلے آئے تھے، اچانک انگڑائی لے کر بیدار ہو گئے۔ انہیں جمہوریت، انسانی حقوق اور آمریت کے خلاف جنگ کے سب نعرے بھول گئے اور انہیں پرویز مشرف کی صورت میں ایک ایسا رہبر و رہنما مل گیا جو اس ملک کو اس کی شناخت سے دور کر کے سیکولر رنگ میں رنگ دے۔ آپ کو اس دور میں کوئی ایسا روشن خیال، جمہوریت پسند اور لبرل آمریت مخالف دانشور نہیں ملے گا جس نے پرویز مشرف کے بزور طاقت روشن خیالی نافذ کرنے کے قصیدے نہ پڑھے ہوں۔ وہ تمام کی تمام این جی اوز جو دنیا بھر کے ڈونرز کے دیئے گئے نذرانوں پر عیش و عشرت کی زندگیاں گزار رہی تھیں، سب ایک متحرک سول سوسائٹی کے طور پر مشرف کے حلقہ آغوش میں آ گئیں۔ آپ اس دور کے وزراء کی لسٹ اُٹھا کر دیکھ لیں، آپ کو آمریت کو سلام کرتے ہوئے یہی لوگ نظر آئیں گے۔ ان کے نزدیک ہر وہ شخص قابل نفرت تھا جس کے چہرے پر داڑھی، ٹخنوں سے اوپر شلوار یا جس عورت کا منہ حجاب سے ڈھکا ہوا ہو۔ ایسے ماحول میں سپریم کورٹ کے شریعت بنچ کا فیصلہ تو ان کے غصے کو آگ دکھانے کے مترادف تھا۔ یہ سب کے سب اسی آمر کے ساتھ باہم شیر و شکر رہے جب اس نے عدلیہ پر پہلا وار کرتے ہوئے پی سی او کے تحت ججوں کو حلف اُٹھانے کے لیے کہا۔ اس وقت ان میں کوئی حق کی آواز بلند کرنے والا نہ تھا۔ عدلیہ کی حالت یہ تھی کہ چاروں ہائی کورٹوں میں سے ایک نے بھی اس حلف سے انکار نہ کیا، البتہ سپریم کورٹ میں چند جج ایسے تھے جنہوں نے حق کا ساتھ دیتے ہوئے حلف اٹھانے سے انکار کیا۔ ان میں سود کے خلاف فیصلہ کرنے والے چار ججوں میں دو، جسٹس خلیل الرحمٰن اور جسٹس وجیہہ الدین احمد بھی شامل تھے۔ البتہ جسٹس منیر اے شیخ اور مولانا تقی عثمانی نے پی سی او کا حلف اُٹھا لیا۔ مولانا تقی عثمانی کو بعد میں جلد فارغ کر دیا گیا۔ وہ اس طرح کہ پرویز مشرف حکومت نے سود کے خلاف فیصلے پر نظر ثانی کی درخواست دائر کرا دی۔ اصول تو یہ تھا کہ نظر ثانی کی درخواست وہی جج سنتے جنہوں نے فیصلہ کیا تھا لیکن ان میں سے دو جا چکے تھے۔ رہے تقی عثمانی تو انہیں ایک نوٹیفکیشن کے ذریعے برطرف کر دیا گیا۔ جن دو شخصیات کو جج بنایا گیا ان میں ایک میرے ساتھ بلوچستان یونیورسٹی میں اسلامیات کے شعبے میں پڑھاتے تھے۔ دوسرے کے نام کے ساتھ علامہ میں نے پہلی دفعہ سپریم کورٹ کے فیصلے میں لکھا ہوا دیکھا۔ پھر سپریم کورٹ کے چیف جسٹس شیخ ریاض کی سربراہی میں شریعت بنچ تشکیل دیا گیا جس میں جسٹس قاضی فاروق اور پرانے بنچ سے جسٹس منیر اے شیخ کو شامل کیا گیا۔ نظر ثانی کی اس درخواست کا فیصلہ چند صفحات پر مشتمل ہے جس نے قرار دیا کہ سپریم کورٹ کا فیصلہ کالعدم اور کیس واپس شریعت کورٹ میں بھجوایا جاتا ہے۔ اس بنچ میں موجود جسٹس منیر اے شیخ نے اپنے ہی پہلے فیصلے کو غلط قرار دے دیا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اگر فیصلہ غلط تھا تو پھر کوئی نیا فیصلہ دیا جاتا لیکن ایسا نہ کیا گیا۔ یوں ایک مختصر سا فیصلہ حاصل کر لیا گیا۔ ادھر سپریم کورٹ کے جج کی عمر 65 سال سے 68 سال تک بڑھانے کے لیے ایل ایف او منظور ہو چکا تھا لیکن الیکشن کے بعد جب سترہویں ترمیم منظور ہونے کا وقت آیا تو متحدہ مجلس عمل اور تو سب کچھ ماننے کو تیار تھی لیکن ججوں کی عمر بڑھانے کو تیار نہ ہوئی۔ آخر وہ ایک سال بڑھانے کو تیار بھی ہو گئی لیکن پرویز مشرف نے کہا یا تو 68 یا پھر 65 اور پھر یہ تینوں جج بھی ریٹائرڈ ہو گئے۔ اس دن سے لے کر آج تک یہ معاملہ شریعت کورٹ کے پاس ہے۔ شاید سود کے خلاف جنگ لڑنے والے تھک ہار کر بیٹھ گئے ہیں یا پھر انہیں یقین ہو گیا ہے کہ اس سسٹم میں اس کا مداوا ممکن نہیں۔

اس ساری روداد کو بیان کرتے ہوئے کبھی کبھی میرا سر شرم سے جھک جاتا ہے اور مجھے اپنی قانون کی ڈگری کو دیکھتے ہوئے ندامت کا احساس ہونے لگتا ہے جب میں وکلاء کی ایک طویل لسٹ دیکھتا ہوں جو سود کے حق میں دلائل دیتے رہے۔ ان کے

(باقی صفحہ 10 پر)

حلقہ خیبر پختونخوا جنوبی کے زیر اہتمام منعقدہ مبتدی تربیتی کورس

حلقہ خیبر پختونخوا کے زیر اہتمام سال 2011ء کا آخری مبتدی تربیتی کورس 25 تا 31 دسمبر جامع مسجد ابوبکر صدیقؓ (سعداللہ جان کالونی) پشاور میں منعقد ہوا۔ جس میں کل گیارہ افراد نے شرکت کی، جن میں سے آٹھ مبتدی رفقاء اور تین احباب تھے۔ کورس کے کوآرڈینیٹر معاون ناظم دعوت و تربیت جمیل عباسی تھے۔ کورس کا آغاز بعد از نماز عصر شرکاء کے تعارف سے ہوا۔ بعد از نماز مغرب بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے لیکچر ''اسلام کا انقلابی منشور'' کا پہلا حصہ بذریعہ پروجیکٹر دکھایا گیا۔

دوسرے روز بعد نماز فجر نقیب اُسرہ پشاور یونیورسٹی عبدالناصر صافی نے سورۃ الزمر کی آیات 53 تا 55 کا درس دیا۔ ناشتا کے بعد باقاعدہ دروس کا آغاز ہوا۔ پہلا موضوع ''ایمان باللہ، ایمان بالرسالت و ایمان بالآخرۃ'' تھا جس پر ناظم حلقہ خیبر پختونخوا جنوبی خورشید انجم نے گفتگو کرنا تھی، لیکن اپنے بہنوئی کی وفات کی وجہ سے وہ پروگرام میں شریک نہ ہو سکے اور اُن کی جگہ جمیل الرحمٰن عباسی نے لیکچر دیا۔ انہوں نے واضح کیا کہ علمی و نظری لحاظ سے اصل ایمان، ایمان باللہ ہے جبکہ فقہی اور قانونی اعتبار سے ایمان بالرسالت اہم ترین ایمان ہے جبکہ ایمان بالآخرۃ انسان کے عمل پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔ یہ انسان کی مدہوشی کو دور کرتا اور اسے اپنے کردار و عمل کی اصلاح کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ بعد ازاں امیر حلقہ میجر (ر) فتح محمد نے ''تنظیم اسلامی کا بنیادی ڈھانچہ'' بیان کرتے ہوئے واضح کیا کہ امیر کی طرح نقیب کی بھی اطاعت ضروری ہے۔ اُن کے خطاب کے بعد حلقہ کے ناظم دعوت و تربیت انجینئر یوسف علی نے رفقاء کے بنیادی اوصاف بیان کیے۔

تیسرے دن عبادات، رسومات اور اخلاقیات پر ہوئے۔ یہ لیکچرز جمیل الرحمٰن عباسی نے دیئے۔ انجینئر یوسف علی نے انفاق فی سبیل اللہ کے موضوع پر گفتگو کی۔

چوتھے روز ناظم حلقہ خورشید انجم نے عبادت رب، شہادت علی الناس اور اقامت دین کی اصطلاحات کو واضح کیا اور مسلمان کے دینی فرائض واضح کیے، جبکہ انجینئر یوسف علی نے فریضۂ دعوت اور تنظیم کا نظام دعوت کو واضح کیا۔

پانچویں روز جہاد فی سبیل اللہ کے موضوع پر بانی محترم کا خطاب بذریعہ ویڈیو دکھایا گیا، جس سے جہاد کے بارے میں غلط فہمیاں دور ہوئیں اور جہاد کا ایک ہمہ گیر تصور سامنے آیا۔ بعد ازاں ناظم حلقہ خورشید انجم نے قراردادِ تاسیس کی توضیح کی۔ اس لیکچر کے بعد احساس ہوا کہ 1967ء میں لکھی گئی یہ قرارداد جذباتی انداز میں نہیں لکھی گئی، بلکہ اِسے کافی غور و فکر اور دردِ دل کے ساتھ ضبط تحریر میں لایا گیا تھا۔

چھٹا دن جمعہ تھا۔ اُس دن تنظیم اسلامی پشاور صدر کے ناظم دعوت و تربیت میاں عامر معین نے ''اجتماعیت کیسے تباہ ہوتی ہے'' کے موضوع پر مذاکرہ کرایا۔ شرکاء نے گہری دلچسپی لی اور فیڈ بیک دیا۔

آخری روز دستور اور نظام العمل پر لیکچر ہوا۔ مذکورہ لیکچر نائب ناظم اعلیٰ شمالی پاکستان زون خالد محمود عباسی نے دیا۔ اس لیکچر کے بعد راقم کا یہ تاثر راسخ ہوا کہ دستور اور نظام العمل ہرگز ایسی چیز نہیں کہ جسے پڑھ کر سمجھا جائے بلکہ یہ وہ دستاویزات ہیں جن کو سمجھ کر پڑھا جاتا ہے۔ ان ایام تربیت میں شام کے اوقات میں باقاعدگی سے بانی محترم کے لیکچرز ''اسلام کا انقلابی منشور'' پروجیکٹر کے ذریعے دکھائے جاتے رہے۔

تربیتی کورس کے اختتام پر شرکاء نے کورس کے بارے میں اپنے تاثرات بیان کیے۔ چغرمٹی پشاور سے تعلق رکھنے والے نئے رفیق تنظیم نور خالد نے اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ وہ تمام رفقاء جنہوں نے ابھی تک یہ کورس نہیں کیا، انہیں جلد از جلد اِس میں شرکت کرنی چاہیے، کیونکہ اس کے بغیر تنظیم کے فکر کو صحیح طرح سے نہیں سمجھا جا سکتا۔ پشاور کے حبیب مجیب الرحمٰن معاویہ نے کہا کہ کورس سے مجھے تنظیم کے مقاصد کا صحیح صحیح پتا چلا، ان شاء اللہ آئندہ تنظیم کے ہر پروگرام میں شرکت کروں گا۔ منفرد رفیق آصف مراد نے کہا کہ اسلام کا جو تصور ڈاکٹر صاحب کے مختلف لیکچرز سے واضح ہوا تھا وہ تربیتی کورس کے ذریعے تازہ ہو گیا اور عبادتِ رب کے سلسلے میں ذہن میں جو گرد و غبار آیا ہوا تھا، وہ صاف ہو گیا۔ رفیق تنظیم اسلامی پشاور شمالی محمد علی نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے بتایا کہ تربیتی حوالے سے یہ ایک بہترین کورس تھا۔ اس سے دین کا مکمل تصور سامنے آیا۔ پھر یہ کہ اس سے تہجد اور تلاوت کا معمول بن گیا۔ کورس سے ذہن میں پیدا ہونے والے سوالات کے جوابات بھی حاصل ہو گئے۔ ماشاء اللہ ہمارا یہاں بہت اچھا وقت گزرا اور بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا۔ اس کے علاوہ یہی کہنا چاہوں گا کہ اگر مبتدی تربیتی کورس میں اخلاقیات کو بہتر بنانے کے لیے کوئی مزید لیکچرز رکھے جائیں تو ان شاء اللہ فائدہ مند ہو گا۔ کورس کے آخر میں ''شرعی پردہ'' پر ایک مذاکرہ کرایا گیا۔ موضوع کی حساسیت اور معاشرتی رویوں کی بناء پر شرکاء نے اس میں گہری دلچسپی لی۔ اللہ تعالیٰ تمام مدرسین کو جزائے خیر عطائے فرمائے، جنہوں نے انتہائی احسن انداز میں دین کے ہمہ گیر جامع تصور اور تنظیم اسلامی کے فکر کو تربیتی کورس کے شرکاء پر عمدگی سے واضح کیا اور سارے ابہام دور ہو گئے۔ انتظامی لحاظ سے بھی حلقہ خیبر پختونخوا جنوبی کے ذمہ داران نے کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی، جس کے لیے وہ تحسین کے حقدار ہیں۔

(مرتب: فواد علی لوہانی)

تعلیمی اداروں میں میوزکل کنسرٹ اور پنجاب حکومت کے منفی کردار کے خلاف تنظیم اسلامی لاہور کا احتجاجی مظاہرہ

تنظیم اسلامی لاہور کے زیر اہتمام 9 فروری 2012ء بعد نماز عصر پریس کلب شملہ پہاڑی کے سامنے تعلیمی اداروں میں میوزیکل کنسرٹ اور میڈیا کے منفی کردار کے خلاف پُرامن احتجاجی مظاہرہ کیا گیا۔ امیر تنظیم اسلامی لاہور محمد جہانگیر نے مظاہرین سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہمارا میڈیا خصوصاً الیکٹرانک میڈیا اس وقت اسلام دشمن میڈیا کا کردار ادا کر رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ پچھلے دنوں ایک نجی کالج کے میوزیکل کنسرٹ میں کچلی جانے والی لڑکیوں اور امریکی فوجیوں کی طرف سے طالبان کی لاشوں کی بے حرمتی کی ویڈیو پر قینچی کی طرح چلتی زبانوں سے ایک بھی لفظ نہ نکلا، جبکہ دوسری طرف کچھ عرصہ پہلے طالبان کی طرف سے ایک خاتون کو زنا کے الزام میں کوڑے مارنے کی جعلی ویڈیو چلا کر ایک طوفان کھڑا کر دیا گیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ اقدار سے بے گانہ سیکولر میڈیا کھل کر اسلام اور اسلامی تہذیب پر حملہ آور ہے۔ اس کا حل صرف اسلامی انقلاب ہے۔ انہوں نے کہا کہ انقلاب الیکشن سے نہیں، انقلابی طریق سے آئے گا۔ لہٰذا دینی قوتیں الیکشن کی سیاست چھوڑ کر منظم احتجاجی سیاست کا راستہ اپنائیں اور سر پر کفن باندھ کر میدان میں آ جائیں۔ ملک عمران احمد نے اپنے مختصر خطاب میں کہا کہ ہم نصابی سرگرمیاں نوجوانوں کی خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کرنے میں ممد و معاون ہوتی ہیں، لیکن ایک مسلم سوسائٹی میں ناچ گانوں کے پروگرام کو ہم نصابی سرگرمیوں کا حصہ کیونکر بنایا جا سکتا ہے۔ میوزک اور ناچ گانوں کو ہم نصابی سرگرمیوں کا لازمی جزو بنانا اسلام اور نظریۂ پاکستان سے کھلم کھلا انحراف ہے، اور نوجوان نسل کو اخلاق و کردار کی پستی میں گرانے کی سازش کا حصہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ حکومت کے ساتھ ساتھ تعلیمی اداروں کے سربراہان کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ ہم نصابی سرگرمیوں کو دین و اخلاق کی حدود میں رکھیں۔ تجمل حسن میر نے کہا کہ ہمارے حکمرانوں کی ترجیح صرف دکھاوے کی تعمیر و ترقی کے منصوبے ہیں۔ انہیں ملک کے نظریاتی کردار سے کوئی دلچسپی نہیں۔ حالانکہ قرآن و سنت کی تعلیمات کی رو سے مسلمان حکمرانوں پر نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا فرض ہے۔ انہوں نے کہا کہ حکومتی سطح پر برائی پر روک ٹوک نہ ہونے کی وجہ سے اسلام اور پاکستان دشمن قوتوں کو تفریح کے نام پر اپنا ایجنڈا پورا کرنے کا موقع ملتا ہے۔ تنظیم اسلامی کے اس پُرامن مظاہرے میں سینکڑوں رفقاء اور احباب نے شرکت کی، جنہوں نے بینرز اور پلے کارڈز اٹھا رکھے تھے، جن پر حکومتی پالیسیوں اور میوزیکل کنسرٹ پروگراموں کے خلاف نعرے درج تھے۔

this day --- after the passage of maybe more than 3000 years to his death. Jews, Muslims and Christians can fight all they want among themselves, but when it comes to Ibrahim, they will say: Oh, yeah, of course, he is our man and we love him.

So, that is what happens when you get your math right, following the Ibrahim equation of 1 + 2 + 3 all equal 1. Job, family, education all boil down to one simple and over-riding and all-consuming priority: God Almighty. None before him or after him and none above him or below him:

﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ﴾ (Al-Hadeed:3)

It is him --- God Almighty --- from beginning to end: first as well as last; what meets the eye as well as what is invisible to the eye.

(*Courtesy: "Radiance Viewsweekly"*)

بقیہ: دعوت ضروری کیوں؟

پورے دین میں داخلہ تھا۔ اس میں اللہ کے دین کا قیام بھی شامل تھا۔ آپؐ کا مقصد بعثت ہی غلبۂ دین تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا: ''اللہ وہی ذات ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو الہدیٰ اور دین حق دے کر تاکہ وہ غالب کر دے اُسے تمام ادیان پر۔'' (الصف:9)

آپ سوچیے، اگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے کے بعد دعوت کا کام نہ کرتے تو دین کا یہ قافلہ کیسے آگے بڑھتا۔ اللہ اپنے دین کے لیے کسی کا محتاج نہیں ہے لیکن اِس دین کے لیے ساری محنت انسانی سطح پر اسی لیے ہوئی کہ بعد میں آنے والوں کے لیے نمونہ ہو۔

رفقاء گرامی! اللہ کے دین کی دعوت و اقامت کے لیے آپ کو جان و مال کا ایثار کرنا پڑے گا، اپنا وقت نکال کر لوگوں کے پاس جانا پڑے گا، اپنی بات کو اُن کے سامنے رکھنا ہوگا۔ آج تنظیم کے بعض رفقاء یہ کہتے ہیں کہ تنظیم کو کوئی جانتا نہیں، اس کا تعارف نہیں ہے، وہ اپنے آپ کو دیکھیں کہ اُن کا بحیثیت رفیقِ تنظیم لوگوں میں کتنا تعارف ہے۔ ہمیں دعوت کی دینی ذمہ داری کو پورے شعور سے ادا کرنا ہوگا۔ اِسی سے سوسائٹی تک دین حق کا پیغام بھی پہنچے گا اور تنظیم کا تعارف بھی بڑھے گا۔

ضرورت رشتہ

☆ بیٹا، عمر 28 سال، تعلیم بی ایس سی، ذاتی کاروبار کو عقد ثانی (پہلی بیوی سے بوجوہ علیحدگی) کے لیے دینی مزاج کی حامل، خوبصورت، تعلیم یافتہ لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ: 0343-5260092

☆ متوسط راجپوت فیملی کو اپنی نیک سیرت بیٹی، عمر 19 سال، سٹوڈنٹ تھرڈ ائیر، رنگ فیئر، قد "5'5 کے لیے پابند صوم وصلوٰۃ، نیک سیرت 25 سال تک کے لڑکے کے والدین رجوع کریں۔ برائے رابطہ: 0321-4430320

☆ بیٹی، عمر 24 سال، تعلیم ایم ایڈ، قوم سندھو، پابند صوم وصلوٰۃ، امور خانہ داری میں ماہر، خوبصورت، خوب سیرت کے لیے دینی مزاج کے حامل برسر روزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ ذات پات کی کوئی قید نہیں۔

برائے رابطہ: 0301-6493416

☆ بہاولپور میں رہائش پذیر سید فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 20 سال، تعلیم ایف اے (جاری) بیوہ، صوم وصلوٰۃ اور پردے کی پابند کے لیے دینی مزاج کے حامل برسر روزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ: 0321-6840316

☆ سید فیملی کو اپنے بیٹے، عمر 28 سال، تعلیم ACMA-CA، سعودی عرب میں آڈیٹر کے لیے خوبصورت، صوم وصلوٰۃ کی پابند ہم پلہ لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0333-6662248 / 052-4261403

☆ راجپوت فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 27 سال، تعلیم بی اے، الہدیٰ سے تعلیم الدین کورس (2.5 سال کا)، قد "5'1 کے لیے دینی مزاج کے حامل برسر روزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ: 0345-4108387

☆ کراچی میں رہائش پذیر رفیق تنظیم کی بہن، عمر 27 سال، صوم وصلوۃ کی پابند، امور خانہ داری میں ماہر (خلع یافتہ) کے لیے دیندار، برسرِ روزگار رشتہ درکار ہے۔ ذات پات کی قید نہیں۔

برائے رابطہ: 0346-3053967/0322-2204938

رفقاء متوجہ ہوں

ان شاءاللہ

"قرآن اکیڈمی لالہ زار کالونی نمبر 2 (3 کلومیٹر) ٹوبہ روڈ جھنگ صدر"

مدرسین ریفریشر کورس

2 تا 4/مارچ 2012ء (بروز جمعہ نماز عصر تا بروز اتوار ظہر تک)

اور

"مرکز تنظیم اسلامی گڑھی شاہو لاہور"

ملتزم تربیتی کورس

4 تا 10/مارچ 2012ء (بروز اتوار نماز عصر تا بروز ہفتہ نماز ظہر)

اور

"مسجد بنت کعبہ، N-866 پونچھ روڈ سمن آباد لاہور"

نقباء وامراء تربیتی ومشاورتی اجتماع

9 تا 11/مارچ 2012ء (بروز جمعہ نماز عصر تا بروز اتوار نماز ظہر)

منعقد ہو رہی ہیں، زیادہ سے زیادہ رفقاء اس میں شامل ہوں،
موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

المعلن: مرکزی شعبہ تربیت
(042)36316638-36366638
0333-4311226

WHAT NUMBER GOD?

"Auron ka hai Payaam aur, mera Payaam aur hai
Ishq key dardmand ka tarz-e-kalaam aur hai!"

(Allama Iqbal)

(How different is my message from the message of all the others!
How different indeed is the cry of a heart stricken by love!)

Here is some simple math for all of us: 1, 2, 3. My question to you is: What are your most important priorities in life --- first, second, third, and so on? You will say your Priority Number One is your Family. I couldn't agree more. Or maybe you will say your Priority Number One is your Education. And I will say: Aameen!

And I will say: Hey, more power to you, Islam is all about education. So, is all of human life if you ask me --- Muslim or non-Muslim. So, Education as your Priority Number One is just fine. At least in my book it is. And I know in God's Book, the Quran, it is.

So, on with Education --- Muslims and non-Muslims! Let Education reign and rock! And let darkness and ignorance, hate and prejudice, fear and superstition, all take their leave and begone.

Or maybe you will say your Priority Number One is your business and your job. And I will say: Of course, how can it be otherwise? Your job, and or your business, is your connection, not just with yourself and your family and loved ones, but with your God. So, how can you go wrong by putting it in the first place? Job, business, family, education --- arrange them how you will. And prioritize them how you feel you must.

You will be delighted to know that you are right no matter how you mix and shuffle them.

But after that what, that is my question to you. Who figures on the scale of your priorities after job, business, education and family? That is what I want to know. Where do you place God on this scale? Can you make room for God after these things --- I mean job, business, education and family? I mean immediately after them? And do so with full honesty and integrity and without cheating? And without trying to squeeze in all kinds of others before him while no one is watching --- or even when you are in public view?

That is all I am asking: What Number God? Your answer will tell us who you are and what you do. It will also tell us why our world is the way it is --- both Muslim and non-Muslim.

So, it is pretty simple and straightforward math up to now. However, the equation changes a bit down the road. For, now, in this New Math, 1, 2, 3 all add up to one. That is how Hazrat Ibrahimؑ did his counting. For Hazrat Ibrahimؑ, the great Prophet and Patriarch to whom Jews, Christians and Muslims all defer, God was at Number One. However, for him, God was also at number two and at number three.

So, for Hazrat Ibrahim ؑ God was first as well as last. For him, God was the beginning as well as the end --- as well as all else in between. So, this is a different kind of math: It is math *a la* Ibrahim ؑ. Using that math --- and using that equation --- Ibrahim ؑ changed the world --- forever. And God made him His friend. ﴿وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا﴾ (Al Nisa:125)

And three of the most important "religions" of the world acknowledge him as their leader to